# خواب گھروندا

(شعری مجموعہ)

زاہدہ رئیس راجی

خواب گھروندا (شعری مجموعہ) زاہدہ رئیس راجی

یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ زاہدہ راجیؔ کے کلام میں ہماری لسانی اور اُدبی روایات سے احتراز یا بغاوت کا کوئی شائبہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ اُنکے یہاں اِن روایات و اقدار کی تائید و توثیق جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ جہاں وہ اُردو غزل کی کلاسیکی اقدار کا احترام کرتی ہیں وہیں اُنھیں زبان و بیان کے نئے تجربے کرنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس ہوتی۔ اُن کا یہ حوصلہ شعر و اُدب کے لئے خوش آئند بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی.

سرورعالم سرورؔ راز

زاہدہ راجیؔ نہ صرف خلوص و محبت کی پیکر ہیں بلکہ سماج کے دھڑکتے ہوئے دل کے عکاس بھی، یہ نہ صرف شاعری کے رموز و نکات سے واقف ہیں بلکہ شاعری کے منصب سے بھی فرض شناسی اُنھیں ہمہ وقت سرگرمِ عمل رکھتی ہے۔

دلشادؔ نظامی

راجیؔ کی آگہی اوروں کی طرح اُس کے لیے عذاب نہیں۔ وہ سمجھدار بنا دینے والی آگہی کی مالکن ہے۔ کبھی کبھار اُس کی دانائی سے گماں ہوتا ہے جیسے زاہدہ وہی بڑھیا ہے جو چاند میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ وہ وہاں سے زمینی حقائق پر مدبرانہ نظر رکھے ہوئے تھی۔۔۔۔۔شاید ''خواب گھروندا'' بنانے زمین پر اُتر آئی۔ اس کے شعروں میں تدبُّر خود بولتا ہے۔ اس پر مستزاد اُس کی تصور نگاری ہے۔ وہ جذبات کو کسی شاعر کی طرح شعر میں نہیں پروتی بلکہ کسی مصور کی طرح تصویر کر دیتی ہے۔

ادریس آزادؔ

رئیسی چاپ ؤشنگ جاہ
raeesii@gmail.com

# خواب گھروندا

زاہدہ رئیس راجی



اشاعت اوّل ۲۰۱۴ء

| | | |
|---|---|---|
| کتاب کا نام | : | خواب گھروندا |
| شاعرہ | : | زاہدہ رئیس راجی |
| اشاعت | : | فروری ۲۰۱۴ |
| تعداد | : | ۵۰۰ |
| قیمت | : | ۱۰۰ روپے |
| کمپوزنگ | : | سلیمان رئیسی |
| ٹائیٹل کیلیگرافی | | مہر رشید |
| ٹائیٹل ڈیزائن | | Creative Baask |
| ای میل | | zahidaraji@gmail.com |
| پبلیشر | : | رئیسی چاپ نخشنگ جاہ |
| ای میل | | raeesii@gmail.com |
| موبائل | | +92-333-2023134 |

# فہرست

# انتساب

اُن تمام رشتوں کے نام

جنھوں نے

اعتبار کی انمول دولت سے

ہمہ وقت سرشار کیا





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرور عالم راز سرورؔ
۱۲۲۰۔انڈین رن ڈرائیو،نمبر۔۱۶
کیرلٹن، ٹیکساس، یو ایس اے
ای میل:sarwarazi@yahoo.com

## حرفے چند

میں اپنی بات کہنے کا الگ انداز رکھتی ہوں
خموشی بھی سُنائی دے، میں وہ آواز رکھتی ہوں

اپنی خاموشی میں بھی گنگناتی ''خواب گھروندا'' کی شاعرہ زاہدہ رئیس راجیؔ ہمارے اُن لکھنے والوں میں سے ہے جو اُردو کلاسیکی غزل کی روایات اور اقدار سے بھی پُوری طرح واقف ہیں اور نئے زمانہ اور اُسکے تقاضوں سے بھی نا آشنا نہیں ہیں۔اُن کا تعلق ہماری نئی نسل سے ہے چنانچہ اُنکی شاعری میں اس نسل کی ترجیحات، زبان،موضوعات اور اسلوب بیان کا دَر آنا عین اقتضائے فطرت ہے۔لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ زاہدہ راجیؔ کے کلام میں ہماری لسانی اور اَدبی روایات

سے احتراز یا بغاوت کا کوئی شائبہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ اُنکے یہاں اِن روایات و اقدار کی تائید و توثیق جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ جہاں وہ اُردو غزل کی کلاسیکی اقدار کا احترام کرتی ہیں وہیں اُنھیں زبان و بیان کے نئے تجربے کرنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس ہوتی۔ اُن کا یہ حوصلہ شعر و اَدب کے لئے خوش آئند بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔

شاعری انسانی خیالات و محسوسات اور تجربات و مشاہدات کی خوبصورت الفاظ میں صورت گری کا دوسرا نام ہے۔ چونکہ انسانی زندگی وقت، زمانے اور حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اس لئے شاعری میں بھی اس تغیر کی عکاسی اور وقت کی آواز کی گونج کا موجود ہونا خوش آئند اور معتبر ہے۔ جو اَدب وقت کے ساتھ بدلتی ہوئی اقدار اور تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا ہے وہ جلد ہی مضمحل اور پژمردہ ہو کر صفحۂ ہستی سے معدوم ہو سکتا ہے۔ اِس حوالے سے زندگی کی طرح شعر و اَدب میں بھی زبان و بیان کے نت نئے تجربات، نئے موضوعات اور نئے اسالیبِ فکر کا استعمال لازمی ہے۔ زاہدہ راجیؔ کو اس حقیقت کا احساس ہے اور اُن کا کلام اُن کے اِس احساس کا آئینہ دار بھی ہے۔ ہمیں ان کے اس طرزِ فکر کی داد دینی چاہئے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ قاری ان کے ہر نئے تجربے سے متفق ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر تجربہ کا استقبال خوش دلی اور وسیع القلبی سے کیا جائے اور اُس کے حسن و قبح کو خوش نیتی کے ساتھ پرکھا جائے۔ زاہدہ راجیؔ کا کلام بھی اس حوالے سے ہماری توجہ کا مستحق ہے۔

زاہدہ راجیؔ کی شاعری ایک عام انسان کے سیدھے سادے جذبات و محسوسات اور مشاہدات و تجربات کا سیدھا اور سچا اظہار ہے۔ اس میں اُردو غزل کے روایتی مضامین (گل و بلبل، بہار و خزاں، ہجر و وصال، تصوف اور معرفت، شکوہ دنیا، افسانہ دیر و حرم وغیرہ) شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں مگر دُنیا اور اہلِ دُنیا کے وہ مختلف رنگ بہت نمایاں اور واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں





جن کو زاہدہؔ نے بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور بھگتا ہے۔ ان کے یہاں زبان کی سلاست اور بیان کی صفائی کے دوش بدوش زندگی کو سوچنے سمجھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اپنی سوچ کو ایک منفرد، سیدھے اور عام فہم انداز میں قاری تک پہنچا دینے کی صلاحیت اُن کے کلام کو دلکش اور بامعنی بنا دیتی ہے۔

یہی اندازِ فکر و نظر راجیؔ کی اُن چند نظموں میں بھی نظر آتا ہے جو اس مجموعہ میں شامل کی گئی ہیں۔

اس شاعری کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے اُردو شاعری کے روایتی کلاسیکی پیمانے زیادہ موثر نہیں ہیں چونکہ زاہدہ راجیؔ کا تعلق ہمارے اطراف کی عام اور اکثر تکلیف دہ زندگی اور اس کے مسائل سے ہے اس لئے اُن کی شاعری کا محور بھی زمینی ہے۔ اُن کی شاعرانہ سوچ کے مکمل ادراک اور اس سے مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شاعرہ کے ساتھ ذہنی سفر کیا جائے، اُن کی آنکھوں سے ان کی دُنیا دیکھی جائے اور اُن کی سوچ کے تار و پود کو کھول کر اس کے رموز کو سمجھا جائے۔ یہ شاعری اپنے راز آسانی سے ایسے قاری پر ہی کھولتی ہے جو زاہدہ راجیؔ کی زمین پر اُتر کر ان کے قدم بقدم چلنے کے لئے تیار ہو۔ اُن کے اشعار میں ذہنی کرب و اذیت کا ایک اتھاہ احساس سمایا ہوا معلوم ہوتا ہے جو قاری کے دل کو چھو لیتا ہے۔ وہ اپنا درد یوں بیان کرتی ہیں۔

تمہارے آنے کی حسرت بھی ہو گئی رخصت ٹھہر گئی ہے رہِ انتظار آنکھوں میں
دُھواں دُھواں ہے چراغِ اُمید اَب راجیؔ کہ بس گئی ہے شبِ سوگوار آنکھوں میں

آنکھ بوجھل ہے رات آئی ہے رات کی ہر گھڑی کہانی ہے
چند لمحوں کی دل کی آہیں ہیں پھر ہمیشہ کی بے زبانی ہے
روٹھ کر کیا گئی خوشی ہم سے پھر ملاقات عمر بھر نہ ہوئی
کون دیتا مجھے پتا میرا آپ اپنی مجھے خبر نہ ہوئی

ورپھر اپنے اس کرب کا جواز خود ہی ڈھونڈ لیتی ہیں۔

جینے کے لئے ایک بہانہ تھا ضروری　　سو ہم نے تمھیں ایک نظر دیکھ لیا ہے

خیال کی یہ صداقت اور بیان کی یہ صفائی اور لذت راجیؔ کی شاعری کا ہی نہیں بلکہ ان کی ذات کا بھی ایک اہم اور جاندار حصّہ ہے۔اُن کی بیشتر شاعری خود انھیں کے اِردگرد آوارہ ہوا کے جھونکے کی مانند جھومتی، ناچتی اور گنگناتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔اپنی ذات کا قصہ ان کے شعروں میں جگ بیتی کا رنگ دھار لیتا ہے۔اُن کے نزدیک اُن کی ذات بہت اہم ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ راجیؔ اپنے شعروں کی چادر اوڑھے دُنیا کو دعوتِ فکر دیتی ہیں۔مرزا غالبؔ نے کہا تھا کہ ؎

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو　　آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

اور راجیؔ نے یہ سبق اپنے شعروں میں سمو دیا ہے۔انکے کلام کا یہ رُخ دلکش بھی ہے اور ان کے مزاج اور شاعرانہ موقف وطرزِ فکر کا غماز بھی

مری شاعری سے مجھے جان لو　　کہ یہ آئینہ ہے مری ذات کا
مجھے احساس تک ہونے نہ پایا　　میں اپنی ذات کا حصّہ نہیں تھی
ہم بھی انا کی قید میں محصور تھے اگر　　وہ بھی تو اپنی ذات سے باہر نہیں رہا

ذات کے ادراک میں راجیؔ کہاں تک آگئی　　ورنہ شاید زاہدہؔ سے شاعری ممکن نہ تھی

زاہدہ راجیؔ کے طرزِ سخن میں اُن کے لب ولہجہ کی نرمی، الفاظ وبیان کی نفاست اور اظہارِ خیال کی سلاست بہت نمایاں خوبیاں ہیں۔وہ بات بہت صاف اور سیدھی کہتی ہیں چنانچہ ان کے اشعار قاری کے دل پر اثر کرتے ہیں۔اکثر اُن میں ’’ از دل خیزد، بر دل ریزد ‘‘ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اُن کی تقریر کی لذت غالبؔ کے اس شعر کی یاد تازہ کر دیتی ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا　　میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے





راجیؔ کے یہاں اُردو غزل کے کلاسیکی رنگ میں نئے اندازِ فکر وبیان کی چاشنی مل کر عجب لطف دیتی ہے۔یہ رنگ اُن کی چھوٹی بحروں میں زیادہ نمایاں ہے۔طویل بحروں میں راجیؔ کم کہتی ہیں لیکن اِن میں بھی راجیؔ کا سوچنے اور کہنے کا منفرد لہجہ دیکھا جا سکتا ہے۔

کبھی دل کا درد نہاں تم نہ سمجھے　　مری چشمِ تر کی زباں تم نہ سمجھے
سمجھنے کو سارا جہاں تم نے سمجھا　　مگر اِک مری داستاں تم نہ سمجھے
کھو گیا اعتبار دُنیا کا　　کھوئے ہر اعتبار کو ترسوں
کیوں سکوت آگیا تعلق میں　　تیرے قول وقرار کو ترسوں
زیست میں تم سے سامنا بھی ہوا　　کیسے کہتے کہ یہ بُرا تھا سفر
اپنے سائے سے ڈر نہیں لگتا　　قد سے اونچے اگر نہیں رہتے

یہی وہ اندازِ سُخن ہے جو راجیؔ کی شاعری کی کامیابی کی ضامن ہے۔ان کو اپنی بات موثر انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا ہنر اچھی طرح آتا ہے۔آسان زبان اور سادہ بیان نے مل کر ان کے لئے بلند اور فلسفیانہ مضامین اور معنی آفرینی کا دروازہ تنگ کر دیا ہے لیکن شاید وہ خود بھی اپنی شاعری کو آسان اور عام فہم رکھنا چاہتی ہیں۔اس طرزِ تکلم سے اُردو کا عام قاری تو یقیناً مستفید ہو سکتا ہے البتہ سنجیدہ اور ناقدانہ مزاج رکھنے والے قاری کے لئے اُن کے کلام میں کم سامانِ فکر ملتا ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ آج کل کے مشینی اور تیز رفتار دور میں چونکہ لوگوں کو چین سے بیٹھنے، کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کرنے اور اصحابِ علم سے استفادہ کا موقع بہت کم دستیاب ہے۔اور کچھ اس لئے کہ اب نئے زمانے اور وقت کے تقاضوں نے شاعری کے اُس پرانے اور انتہائی مفید مطلب نظام کو درہم برہم کر دیا ہے جس میں صاحبِ فن اُستاد اپنے شاگردوں کی فنی اور شعری تربیت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اس لئے اُن کا شاعرانہ کلام بھی کئی پہلوؤں سے تشنہ رہ جاتا ہے۔زاہدہ راجیؔ بھی

شاید اسی صورت حال سے متاثر ہوئی ہیں۔بایں ہم زاہدہ راجی کی زیرِ نظر شاعرانہ کوشش ان کی اُردو سے محبت اور فنِ شعر میں اُن کی محنت کی غماز ہے۔

بہر حال اُن کے کلام کے تیور یہ بتا رہے ہیں کہ ابھی ان کا کلام مزید نکھرے گا اور مطالعہ، تجربے اور مشقِ سخن سے وہ ترقی کی مزید منزلیں طے کریں گی۔ مستقبل میں ہم کو اُن سے بہت سی اُمیدیں وابستہ ہیں۔وہ خود بھی اپنی شاعری میں ایک نئی صبح کے طلوع ہونے پر یقین رکھتی ہیں اور یہ اُردو شاعری کے حق میں نیک فال ہے

اک اور نئی صبح کا سورج ہے اُفق پر
آنکھ اپنی گئے وقت پہ تم نم نہیں کرنا

☆

۲۴ نومبر ۲۰۱۲





# زاہدہ رئیس راجی کی شاعری

دلشاد نظمی
4423 ہاتھی خانہ۔کالی مندر روڈ،ڈورنڈا۔رانچی۔
جھارکھنڈ۔پن کوڈ834002۔انڈیا
nazmi.dilshad@gmail.com

زاہدہ رئیس راجی سے میرے مراسم دیرینہ نہ سہی مگر کم بھی نہیں ہیں میں انھیں پچھلے ـــــــسالوں سے جانتا ہوں اور اُن کی شاعری سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ اُن کے اشعار کی معنویت اور تخیلات کا لامتناہی سلسلہ مجھے سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ابھی تانیثی ادب کے لیے ماحول سازگار ہے۔یہ تانیثی ادب پھر چاہے نثر میں ہو یا نظم کی صورت، ہر حال میں قارئین کو متاثر کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔اور یہ بھی سچ ہے کہ شاعری نسوانی جذبات کے غنائی اظہار کا نام ہے۔ایک دور ہوا کرتا تھا شاعرات کا تناسب شاعروں کی بہ نسبت آٹے میں نمک کے برابر ہوتا تھا مگر دورِ جدید کی فضاؤں میں شاعری کا وہ خمار چھایا کہ عورتوں کا تناسب شاعری میں مردوں کے شانہ بشانہ نظر آنے لگا۔گو کچھ متشاعروں کے لیے بھی راہیں ہموار ہوئیں مگر وہ دو چار قدم سے آگے نہ چل سکے۔حقیقت بہر صورت حقیقت ہوتی ہے اور حقیقت کے قدم کبھی ڈگمگاتے نہیں ہیں۔ زاہدہ رئیس راجی بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے جو ہر گام پر استقامت اور مستقل مزاجی کے ساتھ شاعری کے میدان میں منزلِ لامکاں کی طرف گامزن نظر آتی ہے۔اِن کے یہاں اوروں کی طرح ٹھہراؤ نہیں بلکہ ایک تسلسل ہے، ایک سیلِ رواں جو لفظیات کا آتش فشاں بن کر اپنے

گردوپیش کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔

ہماری عصری اردو شاعر میں تانیثی پیرایۂ اظہار گذشتہ کئی دہائیوں سے جاری وساری ہے۔میرا بائی کی روایت ہو یا لوک گیتوں کی وراثت، علاقائی زبانوں کی شاعری کی مطابقت ہو یا بین الاقوامی ادب کی جسارت، ہر جگہ عورت اپنے جذبات اور محسوسات کا اظہار اپنی زبان میں کرتی نظر آتی ہے۔لیکن اس ضمن میں اردو شاعری کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔اردو شاعری میں پہلے بیگمات اور شہزادیوں کا ہی تصور ابھر کر ہمارے سامنے آتا تھا مگر اب زاہدہ رئیس راجیؔ جیسے نام بھی ہمیں اردو شاعری میں چار چاند لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ادا جعفریؔ اور پروین شاکرؔ کے بعد سے یہ حلقہ مسلسل وسیع تر ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔زاہدہ رئیس راجیؔ نے بھی اپنی نظموں اور غزلوں کے ذریعے اسی کاروانِ سخن میں شمولیت اختیار کی ہے اور تانیثی پیرایۂ اظہار کو لازوال بنانے کی جانب ایک قدم بڑھایا ہے تاکہ انسانوں اور انسانیت کے غموں کا مداوا بن سکے اور یقیناً انسانیت کی فلاح و بہبود کی جانب اٹھایا جانے والا ہر قدم نیل آرمسٹرانگ کے چاند پر رکھے ہوئے پہلے قدم کے مساوی ہوتا ہے۔

آیئے کچھ باتیں زاہدہ راجیؔ کی شاعری پر کی جائے۔نامور انگریزی شاعر ونقاد ٹی ایس ایلیٹ نے کہا تھا کہ poetry is an spontaneous over flow of powerful feelings. راجیؔ کی شاعری انہی طاقتور جذبات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔اِن کے یہاں باغیانہ تیور بھی ہیں اور حسب میراث وطن پرستی کی روایات بھی، عشق و عاشقی کی باتیں بھی ہیں اور سماجی برائیوں پر طنز بھی، ہجر و وصال کی کہانی بھی ہے اور غم روزگار کی حکایت بھی، مسرّت و شادمانی کا نغمہ بھی ہے اور یاس و حرماں نصیبی کا تذکرہ بھی وہ کون سا عصری جذبہ ہے جو شرمندۂ اظہار نہیں وہ کون سا احساس ہے راجیؔ نے جس کی ترجمانی نہ کی ہو۔ہمارے دکھ سکھ





ارمان و آرزومندی کی موثر عکاسی اِن کی شاعری میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔یوں دیکھا جائے تو آرائش خم و کاکل اور اندیشہ ہائے دور و دراز ہماری زندگی کے محور ہیں اور یہی غزل کی بساط بھی۔ انکی شاعری مختلف ادوار میں بٹی ہوئی ہے۔کہیں روایات ہے تو کہیں جدّت پسندی اور کہیں مابعد جدیدیت۔لیکن موصوفہ کی شاعری میں جدّت کا پہلو بھی ہے، روایات بھی اور مابعد جدیدیت کے عناصر بھی۔یہ اشاروں اور کنایوں میں اپنی بات کہنا خوب جانتی ہیں ہجر یار کے تصورات اور تخیلات کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ

تری کج ادائی ستم گری کوئی یہ بتائے کدھر نہیں
تو ہے بے وفائی کی داستاں گلہ تجھ سے کوئی مگر نہیں
تجھے چھوڑنا ہے تو چھوڑ دے مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں

خالقِ کائنات پر مکمل بھروسہ اور دعاؤں پر یقین راجیؔ کی شاعری کا بنیادی وصف ہے ان کی دعائیں اور حمد پڑھنے کے بعد ہمیں لگتا ہے کہ شاعرہ دعاؤں سے تقدیر کے بدلنے پر یقین رکھتی ہے اور اپنے آپ کو منکسرالمزاج مانتے ہوئے خدائے تعالیٰ کے دربار میں دعا گو ہے کہ

خود اپنی قید سے للہ اب رہائی ہو میری نفی مرے اثبات کی گواہی ہو
مجھے وجود کے بکھرے تمام ٹکڑوں کو سمیٹنے سے ہنر سے بھی آشنائی ہو

شاعرانہ تخلیقات شاعر کے خیالات اور احساسات کی ترسیل کا وسیلہ ہوتے ہیں اور جب الفاظ اپنے وصفی اور لغوی معنوں کے خول سے نکل کر اپنا تخلیقی سفر شروع کرتے ہیں تو گنجینۂ معنی کا طلسم بن جاتے ہیں، الفاظ کا تخلیقی استعمال ہی کسی فنکار کو محترم و برگزیدہ بنانے میں سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔راجیؔ کی شاعری میں جابجا الفاظ کے تخلیقی استعمال کی خوبیاں پائی جاتی ہیں جس کی بدولت ان کے خیالات، جذبات اور احساسات کی ترسیل میں توانائی اور شگفتگی پیدا ہوگئی ہے۔ان

کی شاعری قارئین کے جذبات کے تاروں کو چھیڑتی ہے۔وہ کہتی ہے کہ

اگر چاہو تو اپنے زخم مجھ کو دان کردینا
دھڑکتے دل کے اس پاتال میں سب راز رکھتی ہوں
اگرچاہو تو ذہن سے تم سجالو نغمۂ راجیؔ
یہ آزردہ سہی لیکن میں اِن میں ساز رکھتی ہوں

اچھی شاعری ہمیشہ سچی شاعری ہوتی ہے۔راجیؔ کے یہاں نظموں میں شاعری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔نظم کی ہیئت کو راجیؔ نے کامیابی کے ساتھ برتا ہے۔موزوں ترین لفظوں کا انتخاب، خیال اورزبان میں کامل ہم آہنگی، لہجے کے اتار چڑھاؤ میں موسیقیت،اسلوب میں ایمائیت،ان سب فنی تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی بات کو اِس طرح کہنا کہ دوسروں تک پہنچ سکے اورمتاثر بھی کرسکے ایک ایسا شاعرانہ عمل ہے جس سے وہی فنکار بخوبی عہدہ برآ ہوسکتا ہے جس کا مزاج جمالیاتی آہنگ کا رمز شناس ہو۔راجیؔ کی نظموں میں کم وبیش یہ سب خصوصیات پائی جاتی ہیں۔وہ کہتی ہیں کہ

تجھے کیا کہوں میں اے زندگی　　ترے ایک پل کی خبر نہیں
میں کروں یقیں بھی تو کسطرح　　تری شب کی کوئی سحر نہیں
مری خواہشوں کا یہ سلسلہ　　ہے کہاں تلک یہ خبر نہیں
یہ سفر صدی پہ محیط ہے　　مری عمر ایک پہر نہیں

راجیؔ نے پروین شاکر کی طرح کھل کراعلان تو نہیں کیا لیکن پھر بھی غمِ دیگراں اورغمِ ذات اُن کی شاعری میں باہم مربوط نظر آتا ہے۔کبھی یوں لگتا ہے کہ شاعرہ اندرون کی آگ زمانے پر آشکار کرنا چاہتی ہےاور کبھی یوں لگتا ہے کہ وہ اپنے گردوپیش سے بالکل ہی مایوس ہوچکی ہیں اور





اُسے زمانے سے کوئی سروکار نہیں وہ اپنے تمام بیرونی روابط ختم کردینا چاہتی ہے۔اور کہتی ہیں کہ

میں اپنے آپ کو ڈھونڈوں تو ذات میں تیری
کسی بشر کی نہ مجھ تک کبھی رسائی ہو

کبھی راجیؔ دنیا ومافیھا سے بےخبراپنی ذات میں گُم ہوکر کہتی ہیں کہ

میں اپنی بات کہنے کا الگ انداز رکھتی ہوں
خموشی بھی سنائی دے میں وہ انداز رکھتی ہوں

زاہدہ راجیؔ نے ''خواب گھروندا'' کی منزل تک پہنچتے پہنچتے زمانے کے بے شمار نشیب فراز دیکھے اور اِسی مناسبت سے انکی شاعری میں بھی اُتار چڑھاؤ آتا رہا۔اعمال واطوار، حرکات وسکنات،نظریات ورجحانات بدلنے کے ساتھ ساتھ اِن کی شاعری بھی تبدیل ہوتی گئی اورخوب سے خوب تر کا سفر جاری رہا۔آج موصوفہ جوکچھ بھی ہیں اِن میں کہیں نہ کہیں اِن کی شاعری کے اتار چڑھاؤ کا بڑا عمل دخل ہے۔اِن کی شخصیت کی نشو نما میں خارجی، داخلی، شعوری، غیر شعوری، نفسیاتی اورمادی پہلو بھی شامل رہے ہیں۔

زاہدہ راجیؔ نہ صرف خلوص ومحبت کی پیکر ہیں بلکہ سماج کے دھڑکتے ہوئے دل کے عکاس بھی، یہ نہ صرف شاعری کے رموز ونکات سے واقف ہیں بلکہ شاعری کے منصب سے بھی فرض شناسی انھیں ہمہ وقت سرگرمِ عمل رکھتی ہے۔

☆

# پوری شاعرہ

کسی شاعر کے پاس سروشی نغمے گنے چنے ہی ہوتے ہیں۔زاہدہ کی کتاب پڑھتے ہوئے مجھے خوشگوار حیرت کے جھٹکے لگے کہ یہ شاعرہ جس کا ماحول اردو شاعری کے لیے کچھ خاص مساعد نہیں اور جو خود اپنی زبانی بتاتی ہے کہ

کچھ وراثت کی ، کچھ روایت کی
بیڑیاں پڑ گئی ہیں پاؤں میں

اتنی تعداد میں یاد رہ جانے والے اشعار کی خالق ہے کہ اشاعتِ کتاب کو اس کا جائز حق اور انعام قرار دیا جا سکتا ہے۔قبائلی پس منظر میں رہنے والی یہ سلیقہ شعار شاعرہ اپنے سفر تفہیم و تخلیق سے اس قدر غیر مطمئن ہے کہ ہر لحظہ اس کے قدم 'اور آگے، اور آگے'' کے نعرے لگاتے مصافِ سخن میں طبق پر طبق طے کرتے چلے گئے ہیں۔اور وہ پھر بھی کہتی ہے کہ

آگہی کے کتنے ہی در کھل گئے
پھر بھی اس میں اِک خلا موجود ہے

اُس کی آگہی اوروں کی طرح اُس کے لیے عذاب نہیں۔وہ سمجھدار بنا دینے والی آگہی کی مالکن ہے۔کبھی کبھار اُس کی دانائی سے گماں ہوتا ہے جیسے زاہدہ وہی بڑھیا ہے جو چاند میں بیٹھی چرخہ





کات رہی تھی۔وہ وہاں سے زمینی حقائق پر مدبرانہ نظر رکھے ہوئے تھی ـــــــــ۔شاید ''خواب گھروندا'' بنانے زمین پر اُتر آئی۔اس کے شعروں میں تدبُّر خود بولتا ہے۔مثلاً

وقت نے خود ہی جدائی کی لکیریں کھینچ دیں
جب تعلق میں ذرا سی بہتری ممکن نہ تھی

اس پر مستزاد اُس کی تصورنگاری ہے۔وہ جذبات کو کسی شاعر کی طرح شعر میں نہیں پروتی بلکہ کسی مصور کی طرح تصویر کر دیتی ہے۔

بعض اشعار نے تو مجھے کافی دیر تک وجد میں رکھا۔جیسے کہ یہ

تمہارے آنے کی حسرت بھی ہو گئی رخصت
ٹھہر گئی ہے رہ انتظار آنکھوں میں

میں حیران ہوں کہ غیر اردو ماحول میں زاہدہ نے اتنے اچھے اشعار کس طرح کہہ لیے؟
مجھے رشک آیا۔میں نے دل ہی دل میں زاہدہ کو داد دی۔وہ اتنی سہولت سے مشکل مضامین کو منظوم کرتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

مان لو دل کا فیصلہ ورنہ وقت پھر فیصلہ سنائے گا

یا

ترا دریا ہے چھوٹا مرا کوزہ بڑا ہے

میں سمجھتا ہوں کہ زاہدہ میں بے پناہ پوٹینشیل ہے۔وہ مخفی توانائی جو اسے اچھے شعر کی تلاش میں آٹھویں آسمان سے پار لے جا سکتی ہے۔جہاں اُسے کسی الہامی کلام کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ خود الہام بن کر اُترتی ہے۔مثلاً یہ شعر دیکھیے!

جینے کے لیے ایک بہانہ تھا ضروری
سو ہم نے تمھیں ایک نظر دیکھ لیا ہے

وہ نسائیت کا سہارا بالکل نہیں لیتی اور یہی اُس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔اُس کا مشاہدہ اور نظر اس قدر بالغ ہیں کہ زاہدہ کو بلا خوف و خطر اپنے پیچھے آنے والوں کی مشعل تھمائی جا سکتی ہے۔

صورت نہیں رہتی کبھی سیرت نہیں رہتی
یکساں تو کسی کی کبھی حالت نہیں رہتی
خود اپنی ہی نظروں سے تو گرنا نہیں اچھا
گر جائے تو اُٹھنے کی بھی ہمت نہیں رہتی

اُس کے اشعار میں محنت کا عنصر کم ہے۔البتہ وہ یہ ضرور جانتی ہے کہ پامال ہوئے بغیر کوئی رستہ منزل تک نہیں جا سکتا۔وہ عاجزی اور سادگی کے ساتھ تسلیم کرتی ہے کہ

عیاں یہ بات ہے راہِ طلب کے ہر مسافر پہ
وہ منزل بن نہیں سکتا جو رستہ ہو نہیں سکتا

ایک اور بات جو زاہدہ کی شاعری میں نمایاں ہے، وہ یہ ہے کہ زاہدہ ایک کھری قسم کی مسلمان اور دیندار خاتون ہے۔گویا وہ معنوی اعتبار سے بھی زاہدہ ہے۔کسی شاعر کے لیے کامل ایمان رہنا پل صراط پر چلنے کے مترادف ہوتا ہے۔یہ بات شعراء بخوبی جانتے ہیں اور غالباً زاہدہ بھی جانتی ہے لیکن وہ اس صورتحال سے کبھی خوفزدہ دکھائی نہیں دیتی۔

کہیں پہ سوچ کہیں پہ عمل کا ٹکراؤ
یہ اپنے بیچ تضادات کچھ دنوں تک ہیں





جہاں تک مزید اصلاح اور بہتری کا تعلق ہے تو ظاہر ہے زاہدہ کو بھی ہر شاعر بلکہ ہر انسان کی طرح ہمیشہ پہلے سے بہتر ہونے کی نہ صرف طلب ہے بلکہ ضرورت بھی ہے۔زاہدہ کی غزلوں اور نظموں میں اچھے اشعار کی تعداد میرے اطمینان کے لیے کافی تھی سو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک ''پوری شاعرہ'' ہے۔

ادریس آزاد

۲۴ اکتوبر ۲۰۱۳

اسلام آباد

# میں کون ہوں۔۔۔؟

کس قدر آسان ہوتا ہے کسی دوسرے شاعر یا قلمکار کا تعارف لکھنا لیکن حیران ہوں کہ آپ اپنا تعارف کیسے لکھوں؟ کیسے تمہید باندھوں کہ زاہدہ رئیس راجی کون ہے؟ قلم سے اُسکا رشتہ کیا ہے؟ شعری ادب کی دنیا میں اُس نے کب قدم رکھا؟ وہ کونسے محرکات تھے جو اُسکی شاعری کا سبب بنے اور بالآخر وہ ''خواب گھروندا'' کی منزل تک کیسے پہنچی؟

بظاہر زاہدہ رئیسی سے زاہدہ رئیس راجی کا فاصلہ چودہ سال پر محیط ہے لیکن دونوں کے مابین قلم کا جو اٹوٹ رشتہ قائم ہے وہ شاید تب سے ہے جب شعور کی دنیا کا پہلا دروازہ زاہدہ کی زندگی پر وا ہوا تھا۔

اسکے بعد جب جب شعور نے تخیل کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا چاہا قلم بھی بہت چاہ سے اظہار کے راستے ہموار کرتا چلا گیا۔ ادب کی کونسی صنف میں کب لکھنا اور کیا لکھنا ہے اسکا فیصلہ خود بخود ہوتا چلا گیا۔





نثر سے ابتدائی سفر طے کرتے کرتے جب چودہ سال کی عمر میں اچانک اُردو شعر گوئی کی دنیا میں پہلا قدم رکھا تو پیچھے ماسوائے ایک چیلنج کو قبول کرنے کے کوئی خاص وجہ تو نہیں تھی لیکن پہلے ہی شعری تخلیق کے پہلے مصرع ''کتابِ شاعری میں درد کی دنیا بسی ہے کیوں؟'' نے اندر کی شاعرہ کے بارے میں روزِ اوّل سے ہی پیش گوئی کردی تھی کہ اُسکے آگے کی منزلیں آسان نہیں ہیں۔

سو تب سے اب تک جو کچھ دیکھا گیا، جو کچھ برتا گیا اور جو کچھ جیا گیا اُس کا حرف بہ حرف لاشعوری طور پر میری شاعری کا حصہ بنتا چلا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب ذات سے سفر کرتے کرتے ادراک کی منزلوں کو طے کرنے کی سعی کی گئی تو علم ہوا کہ یہ جیون ماسوائے خواب گھروندا کے کچھ نہیں ہے جسکی عمر ابدی زندگی کے گہرے اور وسیع سمندر سے اُٹھنے والی لہر کے ٹکرا جانے کی مُدت پر ٹکی ہوئی ہے۔

گو کہ اس گھروندے کی تعمیر ہم اپنے احساسات، جذبات اور خواہشات کی مٹی سے کرتے ہیں اور اسے دل سے ایسے لگائے رکھتے ہیں کہ جیسے ہم نے اسے دائمی جوہر سے بنایا ہو لیکن ابدی زندگی کے وسیع اور گہرے سمندر سے اُٹھنے والی طلاطم خیز موجوں سے مفر کسی طور ممکن نہیں۔

میں نے اپنی شاعری کو ''خواب گھروندا'' کے نام سے موسوم اسی لئے کیا ہے کہ اس گھروندے کو میں نے اپنے احساسات، جذبات، مشاہدات اور تجربات کی مٹی سے تخلیق کیا ہے۔

دنیا میں ہر ایک حقیقت پانی ہے ۔۔۔ دنیا کا ہر ایک فسانہ مٹی کا

شعر گوئی کے فن کی باقاعدہ تعلیم تو کبھی حاصل نہیں کرپائی کہ ایسا ماحول ہی میسر نہیں تھا لیکن ایک طرف میرے والدِ محترم کی ہمت افزائی اور دوسری طرف درسگاہوں میں مقامی اور قومی سطح پر منعقد ہونے والے مشاعروں اور بیت بازی کے مقابلوں میں باقاعدگی سے شمولیت نے ایسے

مخلص اساتذہ اور دوست ضرور فراہم کیے جنکی حوصلہ افزائی ہمیشہ ہی میرے لئے مشعلِ راہ بنی رہی ۔

سال دو ہزار سن عیسوی میں جب محترم ساجد علی ساجدؔ مرحوم سے ایک نجی محفل میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے نہ صرف میری شعر گوئی کو سراہا بلکہ مشاعروں میں شرکت کی دعوت بھی دے ڈالی لیکن تعلیم اور روزگار سے منسلک مصروفیات نے کبھی مہلت نہیں دی۔

پھر سال دو ہزار تین میں جب نیٹ پہ موجود اُس وقت کی سرگرم ادبی چوپالوں کی جانب رُخ کیا تو وہاں پر دنیائے ادب کے نامور کہنہ مشق قلمکار اور شعرائے کرام سے نہ صرف ملاقات کا شرف حاصل ہوا بلکہ بارہا انکی رہنمائی اور اصلاح سے مستفیض بھی ہوا۔

میں نے ہمیشہ ہی اپنے ہر قاری کی آراء کا احترام کیا ہے، چاہے میرا کلام نیٹ کے چوپالوں کے توسط سے ان تک پہنچا ہو یا کسی ادبی جریدے کے ذریعے۔

بحیثیت شاعرہ اور قلمکار میں نے کبھی بھی اپنی کسی تحریر کو جان سے لگائے رکھنے کی کوشش نہیں کی ماسوائے چند گنی چنی تخلیقات کے کہ جن سے میری جذباتی وابستگی ہے، میں نے اپنی ہر تخلیق کو نقاد کی نظر سے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ بیشتر کہنہ مشقوں کے سامنے تیکنیکی تجزیے کے لئے پیش بھی کیا ہے اور انکی تجاویز اور اعتراضات کو دل سے قبول بھی کیا ہے لیکن ایک عمومی رویے کا خصوصی ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ دنیائے ادب میں اصلاح اور رہنمائی کا پیمانہ یکساں معلوم نہیں ہوتا ایسا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس تخلیق کو ایک صاحب ِسخن نے شعریت اور تخیل کی بنیاد پر بہترین قرار دیا وہیں دوسرے کہنہ مشق نے اسے ابہام کی سند دے کر یکسر رد کر دیا اور جس تخلیق کے اندر محض نفسِ مضمون کو واضح کر نیکی صلاوی دی گئی اُسے سخن فہم قارئین سے سوائے صفائی کے نمبر ملنے کے، کوئی خاطر خواہ پزیرائی نہ مل سکی۔





لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر اُن تمام کہنہ مشق شعراء اور اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا چاہو نگی کہ جنھوں نے وقتاً فوقتاً اپنی بیش قیمت آراء اور رہنمائی سے نوازا۔ خاص طور پر محترم سرور عالم سرورؔ راز صاحب، جنھوں نے اس طفلِ مکتب کی بہت خلوص کے ساتھ رہنمائی فرمائی۔

برادرم مہتاب قدرؔ صاحب کی ممنون ہوں کہ ان کے توسط سے کئی عالمی ادبی جرائد میں میری تخلیقات کو جگہ ملتی رہی اور ان تمام احباب کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے میری تخلیقات کو اپنے جرائد، رسائل اور ویب سائیٹس کا حصہ بنایا۔

طالبِ دُعا

زاہدہ رئیس راجیؔ

## طرحی حمدِ باری تعالیٰ

ابتدا سے انتہا موجود ہے
☆اس کا مطلب ہے خُدا موجود ہے☆

آگہی کے کتنے ہی در کھل گئے
پھر بھی اُس میں اِک خلا موجود ہے

زندگی ہے کھوج میں اپنی سدا
دوسرا کوئی سِرا موجود ہے

رات سے دِن کو بدلتا کون ہے؟
کون یاں تیرے سوا موجود ہے؟

ذرّے ذرّے میں نہاں ہے روشنی
ہر طرف تیری ضیا موجود ہے

قہر ہو یا رحمتوں کا سلسلہ
سب میں ہی تیری رضا موجود ہے





تُو نے گر قسمت میں لکھ دی ہے شفا
پھر دُعا میں ہی دوا موجود ہے

فیصلہ کشتی کا تُو خود ہی کرے
گر چہ اس پر ناخُدا موجود ہے

کم نگاہی آڑ ہے ورنہ میری!
جس طرف دیکھوں خُدا موجود ہے

کیسے جھٹلائے گا سچ کو دیکھ کر
جس کی آنکھوں میں حیا موجود ہے

اُٹھ رہی ہے میرے دل سے جو اذاں
دُور تک اُسکی صدا موجود ہے

جوڑ دے نسبت تُو راجی کی سدا
جس جگہ یادِ خدا موجود ہے

اکتوبر ۲۰۰۵

☆

## دُعا

خود اپنی قید سے للہ اب رہائی ہو
مری نفی مرے اثبات کی گواہی ہو

مجھے وجود کے بکھرے تمام ٹکڑوں کو
سمیٹنے کے ہنر سے بھی آشنائی ہو

رقابتوں کے کئی سلسلے مقابل ہیں
محبتوں کی نہ مجھ سے کبھی جُدائی ہو

شکستہ ہو کے بکھر جاؤں راہِ الفت میں
غموں کی مجھ سے نہ اتنی بھی آشنائی ہو





ہے چار سمت خدا دُشمنوں کی دارائی
مرے خدا ! مرے سر پر نہ یہ خدائی ہو

تُو میرے ضبط سے بڑھ کر نہ آزما مجھ کو
اسی بہانے کہیں پھر نہ جگ ہنسائی ہو

میں اپنے آپ کو ڈھونڈوں تو ذات میں تیری
کسی بشر کی نہ مجھ تک کبھی رسائی ہو

ستمبر۲۰۰۳

☆

ایک جانب ہے فنا کا راستہ
دوسری جانب بقا کا راستہ

جب فنا ہو کر بقا کی کھوج کی
مِل گیا دِل کو خدا کا راستہ

خود پہ مجھ کو منکشف کر یاخدا!
جان لوں تیری رضا کا راستہ

کیا دوا درکار ہو بیمار کو
ذکرِ داور ہے شفا کا راستہ

منتشر سوچوں نے دہلایا مجھے
دیکھ لوں پہلے ہوا کا راستہ





آگہی اتنی مجھے حاصل تو ہو
کیا بُرا ہے کیا بھلا کا راستہ

میں تو بس حق آشنا اتنی ہوئی
دین ہے شرم و حیا کا راستہ

بھر گیا دامن سکونِ قلب سے
چُن لیا جب بھی دُعا کا راستہ

دیکھ لو راتیں خدا کے نور سے
شب کی آنکھوں میں ضیا کا راستہ

نومبر ۲۰۰۵

☆

ہواؤں کا سفر ہلکا نہیں تھا
مگر آنچل کہیں ڈھلکا نہیں تھا

میں اپنی خواہشوں کی رہ گزر پر
ہراساں ہو سکوں، ایسا نہیں تھا

فقط سچائیاں تھیں پاس میرے
ذرا بھی جھوٹ میں حصّہ نہیں تھا

بہت تھا مان اپنے دوستوں پر
اگرچہ اُس طرف ایسا نہیں تھا

جسے دعویٰ ، مجھے پہچان کا تھا
وہ مجھ کو جان کر سمجھا نہیں تھا

کرے شکوہ بھی راجؔی کس سے آخر ؟
جب اپنا ہی بھرم اپنا نہیں تھا

جنوری۔1995

☆





## زندگی

تجھے کیا کہوں میں اے زندگی ، ترے ایک پل کی خبر نہیں
میں کروں یقیں بھی تو کسطرح ، تری شب کی کوئی سحر نہیں
مری خواہشوں کا یہ سلسلہ، ہے کہاں تلک یہ خبر نہیں
یہ سفر صدی پہ محیط ہے، مری عمر ایک پہر نہیں

جہاں آگہی کے نہ جال ہوں۔ وہاں وحشتوں کا گزر نہیں
یہاں آگہی بھی عذاب ہے۔ تجھے آہ ! یہ بھی خبر نہیں
میں شمارِ غم کروں کسطرح۔ مرے پاس ایسا ہنر نہیں
مرا آج ہے ستم آشنا ۔ مجھے کل سے کوئی مفر نہیں

جہاں دو گھڑی کا سکوں ملے، تری راہ میں وہ شجر نہیں
میں تھکن سے چُور ہوں اس قدر ، کوئی سایہ حدِ نظر نہیں
وہ جو اشکِ خوں سے ہو آشنا، کہیں ایسا دیدۂ تر نہیں
مرے دِل سے بڑھ کے جلا ہو جو، یہاں ایسا کوئی جگر نہیں

تری کج ادائی ستم گری ، کوئی یہ بتائے کدھر نہیں
تو ہے بے وفائی کی داستاں ، گلہ تجھ سے کوئی مگر نہیں
تجھے چھوڑنا ہے تو چھوڑ دے ، مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں
وہ اندھیر نگری ہے گر کوئی، یہ بھی راحتوں کا ڈگر نہیں

دسمبر ۲۰۰۴

☆





تم خواب لکھو یا تعبیریں     آئیں گی نظر کچھ تصویریں
اُلجھو گے ہمیشہ چہروں سے     ڈھونڈو گے جہاں تم تفسیریں
وہ راز تو خلوت نے بانٹا     دنیا میں ہوئیں کیوں تشہیریں
جو یکدم ملیامیٹ ہوئیں     وہ خوابوں کی تھیں جاگیریں
تقدیر کے ہاتھوں ہی اکثر     مٹتی ہیں بقا کی تدبیریں
جب دل سے دُعائیں اُٹھتی ہیں     ملتی ہیں دوا کی تاثیریں
سر کٹتے دیکھے ہیں راجیؔ     جب جب اُٹھی ہیں شمشیریں

☆

کوئی تدبیر بارور نہ ہوئی     شب اُمید کی سحر نہ ہوئی
روٹھ کر کیا گئی خوشی ہم سے     پھر ملاقات عمر بھر نہ ہوئی
جانے کب تک سزائیں پاتی ہیں     اُس خطا کی جو جان کر نہ ہوئی
تم غلط ہو کے بھی غلط نہ ہوئے     اک سند میری معتبر نہ ہوئی
کون دیتا مجھے پتہ میرا     آپ اپنی مجھے خبر نہ ہوئی
غم کا طوفاں ہے اور میں راجیؔ     دیکھ لو پھر بھی آنکھ تر نہ ہوئی

☆

## لوٹ آؤ

اپنے احساس کے سمندر میں
کھو گئے ہو تو پھر سے لوٹ آؤ
اس سے پہلے کہ اک بھنور تم کو
اپنی گہرائیوں میں لے ڈوبے
لوٹ جاؤ تم اپنے ساحل پر
کہ جہاں پر نجانے کتنے اور
تم ہی جیسے تمہاری سوچ لئے
ساتھ رہنے کے مُنتظر ہونگے

ستمبر ۲۰۰۰





وہ چاہت کا حسیں پیکر نہ بدلا
مرے احساس کا محور نہ بدلا

بدلتے وقت نے کیا کیا نہ بدلا
مگر موسم مرے اندر نہ بدلا

مخالف تھیں مخالف ہی رہیں ، سو
ہواؤں کا کبھی تیور نہ بدلا

مجھے سچائیوں کی جستجو تھی
جو میرے تن پہ تھا وہ سر نہ بدلا

میں باہر سے نئی لگتی ہوں راجی
مگر اندر مرے، شاعر نہ بدلا

☆

دوستی مشکل میں تھی اور دشمنی ممکن نہ تھی
زندگی تجھ سے مری اب دل لگی ممکن نہ تھی

رات کی تاریکیوں نے راستہ چھوڑا نہیں
دل دیا بھی پھڑپھڑایا آشتی ممکن نہ تھی

نا کوئی شکوہ ستم کا، نے جفاؤں پہ گلہ
اس سے بڑھ کر اور مجھ میں عاجزی ممکن نہ تھی

جان لیتے گر، دیارِ عشق تک جاتے کہاں؟
اس گزرگہ پر کبھی آسودگی ممکن نہ تھی





لوٹ کر آیا تو سارے خواب چکنا چور تھے
آنکھ تھی ویران، ہونٹوں پر ہنسی ممکن نہ تھی

وقت نے خود ہی جدائی کی لکیریں کھینچ دیں
جب تعلق میں ذرا سی بہتری ممکن نہ تھی

ذات کے ادراک میں راجی کہاں تک آ گئی
ورنہ شاید زاہدہ سے شاعری ممکن نہ تھی

☆

وقت کی قید سے چُپ چاپ نکلنے والے
ہم سرِ شام نہیں رات میں ڈھلنے والے

جستجو ذات سے آغاز ہوئی تھی لیکن
زیست کی راہ میں سو بھید تھے کُھلنے والے

اَست اور نیست کے مابین کھڑی تھی دنیا
اُس پہ ہم لوگ تھے ابہام پہ چلنے والے

درد کی دھوپ اگر سایۂ دیوار بنے؟
ہم بھی کترا کے نہیں راہ بدلنے والے

غم غلط کرنے کے ڈھونڈینگے بہانے کیا کیا
عمر بھر درد سے آنکھوں کو مسلنے والے

حوصلے باندھ کے رکھتے تھے ہمیشہ راحیؔ
کب مصائب تھے مرے وقت پہ ٹلنے والے

☆





غموں کی گرد دکھوں کا غبار آنکھوں میں
دھڑک رہا ہے دلِ سوگوار آنکھوں میں

نہ کوئی خواب ہے باقی نہ ہی خیال کوئی
بکھر گیا ہے مِرا خواب زار آنکھوں میں

تمہارے آنے کی حسرت بھی ہو گئی رخصت
ٹھہر گئی ہے رہِ انتظار آنکھوں میں

لہو لہو ہے" یقیں" کا وجو د الفت میں
محبتوں کا نہیں اعتبار آنکھوں میں

دھواں دھواں ہے چراغِ اُمید بھی راحیؔ
کہ بس گئی ہے شبِ سوگوار آنکھوں میں

☆

مرا احساس ہے زیر و زبر میں
نہ کوئی تھا نہ کوئی ہے نظر میں

کوئی سایہ نہیں اِس رہگور میں
نہ منزل ہے کوئی حدِ نظر میں

نہ ٹھہرو گے کبھی تم رہگور پہ
رہیں گے عمر بھر ہم بھی سفر میں

اگر چہ غم کا طوفاں تھم گیا ہے
مگر دِل ہے ابھی اُس کے اثر میں

وہ تارا کب تھا میرے آسماں کا؟
چمکتا رہ گیا جو چشمِ تر میں

☆





## آڑ

جسے تم چاہ کہتے ہو
انا سے ماورا شے ہے
مگر اتنا سمجھنے میں
انا ہی آڑ ہے ہمدم

ستمبر ۲۰۱۲

☆

## سوال؟

جب اُجالوں کا سفر
لے کر اندھیری راہ پہ
غم کے بھنور میں چھوڑ دے
پھر کہو کیا فرق ہے
روشن سحر اور رات میں؟

دسمبر ۲۰۰۴

☆

## استفسار

مرے اندر ٹٹولو گے
پلندہ دل کا کھولو گے
تو ان آنکھوں کے رستے سے
خموشی چیخ اُٹھے گی
فقط اک بات پوچھے گی
لبوں سے لفظ چھینو گے
تو آخر کون بولے گا؟

☆





خواب آنکھیں ہیں چاند تارے پر
زندگی کا چلن گزارے پر

موجِ طوفاں تو اک اشارے پر
کیا بھروسا کروں سہارے پر

بے غمی ڈال کر سمندر میں
لوٹ آئے اُسی کنارے پر

بد نظر تک کے ہٹ نہیں پائی
بخت کے جھلملاتے تارے پر

زیست کے پیچ و خم گزار کہ اب
چل پڑے زندگی کے دھارے پر

کوئی آواز تو سنائی دے
اب خموشی نہیں گوارے پر

خوف سے چپ لگی فضاؤں کو
موت رقصاں ہے کس کے بارے پر

وہ بھی ماتم کناں ہوا راجیؔ
جس نے کاٹے تھے میرے سارے، پر

☆



خواب گھروندا

کبھی دِل کا دردِ نہاں تم نہ سمجھے
مِری چشمِ تر کی زباں تم نہ سمجھے
سمجھنے کو سارا جہاں تم نے سمجھا
مگر اِک مِری داستاں تم نہ سمجھے
کریں اعتبار و یقیں تم پہ کیسے؟
کبھی گر ہمیں رازداں تم نہ سمجھے
تمہیں کیا خبر کون سی رہگزر پر
جلا خواہشوں کا جہاں تم نہ سمجھے
مکیں ہی نہیں تو کہاں کا مکاں پھر؟
کہ بنتا ہے کیسے مکاں تم نہ سمجھے!
مجھے داد و بے داد کی کیا ضرورت؟
مِرے شعر کی گر زباں تم نہ سمجھے
کوئی راز ہو تو چھپائے بھی راجیؔ
ہر اِک بات تھی جب عیاں، تم نہ سمجھے!

☆

# خوشی

خوشی راستے میں
کہاں کھوگئی ہے؟
کوئی ڈھونڈھ لائے
کہ خود لوٹ آئے
کوئی اُس سے کہہ دے
بہت ہے ضرورت
بنے کوئی صورت
کہ شب ہوگئی ہے
اور آنگن کی پیڑیں بھی کملاگئی ہیں
دریچوں کی بیلیں بھی مرجھاگئی ہیں





وہ آنکھیں جو امید کی لَو جلا کر
کئی موسموں سے،
یونہی منتظر ہیں
یہ لَو جلتے جلتے
یونہی بُجھ نہ جائے
اندھیرے سے رشتہ
کہیں جڑ نہ جائے
کہیں زندگی اُس ڈگر پر نہ پہنچے
جہاں پر خوشی کی ضرورت نہیں ہو

مارچ ۔۲۰۰۷

☆

## خامشی

سوچ ساکن ہے بہت دیر سے مانندِ شجر
نہ خیالوں کا تلاطم نہ امیدوں کی لہر
نہ کوئی آس ہے دل میں نہ ہی اُمیدِ سَحر
غم کے بڑھتے ہوئے سایوں کا یہ پُرہول اثر

کوئی آہٹ ہے کواڑوں پہ نہ جنبش در پر
ایک بے نام اُداسی کی ہے چادر سر پر
اک مسافر کی سی حالت میں ہیں اپنے گھر پر

خواہشوں کا جو تسلط تھا جہانِ دل پر
ایک رونق سی ہوا کرتی تھی جن کے بل پر
اب وہ اُمید بھی مجھ کو نہیں اگلے پل پر
ایک ویرانی کا ڈیرا سا ہے ذہن و دِل پر





ایک ہی سمت میں ٹھہری ہوئی خاموش نظر
پوچھتی ہے کہیں باقی بھی ہے کچھ اور کسر
پھر یہ تھک جاتی ہے جب لوٹ کے آتی ہے نظر
اب تو مدّت ہوئی یہ زیست ہے ویران ڈگر

جانے کس موڑ پہ رُک جائے گا جینے کا سفر
صبر کرتے ہیں کہ شاید کبھی مِل جائے ثمر
ورنہ ہو جائے گی اسطرح سے یہ عمر بسر
سوچ ساکن ہے بہت دیر سے مانندِ شجر

☆

وفا ساحل پہ جب دل کے گھروندے ٹوٹ جاتے ہیں
سمندر تلملاتا ہے، جزیرے ٹوٹ جاتے ہیں

بقائے عشق تو ہر حال میں ایثار مانگے ہے
زمیں کی چاہ میں جیسے ستارے ٹوٹ جاتے ہیں

محبت آڑ ہوتی ہے دلوں کو باندھ رکھنے میں
محبت بوجھ بن جائے تو رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

کبھی طوفان سے لڑنے کے جذبے سر اُٹھاتے ہیں
کبھی طوفان کے آگے ارادے ٹوٹ جاتے ہیں

نہ رکھ پتھر کے بیچوں بیچ یہ احساس کے رشتے
ذرا سی ٹھیس سے یہ آبگینے ٹوٹ جاتے ہیں

میں راجی سر کے نیچے خواب تکیے رکھ نہیں پائی
حقیقت تلخ ہوتے ہی یہ سپنے ٹوٹ جاتے ہیں

☆





## چاہت

دسترس میں مری
جب نہیں تھا
تو سب کچھ ادھورا سا تھا
وہ ملا
ایک مدّت میں کبھی نہیں،
اُسکو پانے کی چاہت کہاں کھوگئی

☆

## اعتراف

وفائیں ہار کر
احساس سے دل نے کہا اتنا
سوائے زخم دینے کے
یہ چاہت کچھ نہیں دیتی

☆

دِل غم سے آزاد نہ جانے کب تک ہو؟
ویرانہ آباد نہ جانے کب تک ہو؟

جلتی بجھتی اُمیدوں کو تھاما ہے
خوشیوں سے دِل شاد نہ جانے کب تک ہو؟

دِل کی آہیں عرش تلک تو پہنچی ہیں
پوری اب فریاد نہ جانے کب تک ہو؟

ہر پل میں اس جیون کے سو قصے ہیں
ختم مِری روداد نہ جانے کب تک ہو؟

کیوں نہ اِک اِک لمحہ میں تسخیر کروں
جینے کی میعاد نہ جانے کب تک ہو؟





اِک منظر جو ٹھہر گیا ہے نظروں میں
ہر دم اُسکی یاد نہ جانے کب تک ہو؟

دُنیا کی اک رسم نہ ہو جس دھرتی پر
وہ دُنیا ایجاد نہ جانے کب تک ہو؟

جھوٹ کی اس دنیا میں ہم سب جھوٹے ہیں
سچ اپنی بُنیاد نہ جانے کب تک ہو؟

بربادی کا کھیل ہے راجی ہر جانب
پھر دُنیا آباد نہ جانے کب تک ہو؟

☆

# تشنگی

ہوں بھنور میں کنار کو ترسوں
زندگی کے مدار کو ترسوں

میرے اطراف کے مسیحاؤ!
میں دُعا کے حصار کو ترسوں

سُن رہی ہوں تمام دُنیا کو
اپنے دِل کی پکار کو ترسوں

زندگی اپنی جیتنے کے لئے
موت میں تیری ہار کو ترسوں

کیوں سکوت آگیا تعلق میں
تیرے قول و قرار کو ترسوں

کھو گیا اعتبار دُنیا کا
کھوئے ہر اعتبار کو ترسوں

اکتوبر۲۰۰۳





وقت جوں توں گزر ہی جائے گا
فاصلوں کو مگر بڑھائے گا

یاد کب تک اُسے ستائے گی
رفتہ رفتہ سنبھل ہی جائے گا

قربتوں کو نہ دُوریاں کرنا
دور رہ کر وہ دور جائے گا

چاہے گزرے بُری بھلی جیسے
ساتھ اُسکا ہی رنگ لائے گا

مان لو دِل کا فیصلہ ورنہ
وقت پھر فیصلہ سُنائے گا

گر یہ لمحہ گزر گیا راحؔی
پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے گا

☆

گلی میں شور سا ہے
ذرا دیکھو تو کیا ہے
مجھے دھوکا ہوا ہے
کہ تم کو واہمہ ہے
دوا گر لادوا ہے
مجھے یہ بھی رَوا ہے
کہاں منزل؟ ابھی تو
بہت رستہ پڑا ہے
بتاتے ہیں یہ تیور
کہیں کچھ تو ہوا ہے
تمھیں گر لوٹنا ہے
تو ہر رستہ کُھلا ہے





ترا دریا ہے چھوٹا
مرا کوزہ بڑا ہے
خیالوں سے نکل کر
کوئی جلوہ نما ہے
ہجومِ دوستاں میں
کوئی گُم سُم کھڑا ہے
مری ہستی سے کوئی
دبے پاؤں گیا ہے
اندھیرا کسطرح ہو
مرے اندر دیا ہے
مرے دل کا اُجالا
اندھیرے سے خفا ہے
ڈرے وہ موت سے کیا؟
جسے خوفِ خدا ہے
مجھے راجیؔ کسی کی
دُعا کا آسرا ہے

☆

## آج کا بچّہ

زندگی موت بن گئی یا پھر
موت کا خوف مرگیا ہوگا
گولیوں کی صدائیں سُن کر بھی
ماں کے آنچل میں اب نہیں چھپتا
مقبروں سے یا مرتے انساں سے
اب کے بچّے کو ڈر نہیں لگتا
موت سے زندگی جُدا کرتا
حاشیہ بھی تو مٹ گیا ہوگا؟
دیکھ لو کس قدر بہادر ہے
اگلے وقتوں سے آج کا بچہ

☆





## وہ مائیں کیسے سوئیں گی

وہ مائیں کیسے سوئیں گی؟
کہ جن کی عمر تو
بچوں کی سُکھ میں ہوگئی قرباں

انہیں اب عمر بھر
اس درد کی بھٹی میں جلنا ہے
کہ جن کے لوٹ آنے تک
نگاہیں راہ تکتی تھیں
اب اُنکی عمر کا حاصل
نہیں گھر لوٹنے والا

وہ مائیں کیسے سوئیں گی
کہ جن کے بے گنہ بچّے
کسی ظالم کے ظلم و جبر کا
لقمہ بنے ہونگے؟

☆

# سیاست کرلو لاشوں پر

سیاست کرلو لاشوں پر
کہ ان میں کوئی بھی لاشہ
نہ بھائی ہے تمہارا
اور نہ بیٹا ہے نہ بیٹی ہے
نہ ان سے درد کا بندھن
نہ کوئی خون کا رشتہ
نہ ان سے منسلک
آزردہ روحوں سے کوئی نسبت
مگر انسانیت کے دعویدارو!





سوچ لو اتنا
یہ بازی اب جو تیری ہے
اِسے اِک دن پلٹنا ہے
تری قسمت بدلنی ہے
تجھے وہ کچھ دکھانا ہے
کہ جس کو دیکھنے سے قبل
اپنے رب سے سجدے میں
خود اپنے خاتے کی
گڑگڑا کر
بھیک مانگو گے

☆

رُک گئے ہیں رہگور پر، ہر نظر ویران ہے
منزلوں کا کیا کہیں جب راستہ سنسان ہے

جس ہوا کے ہم، بھروسے چل دیے تھے راہ پر
ایک دوراہے پہ لا کر اب وہی انجان ہے

مشتمل ہے چار سانسوں پر دوامِ زندگی
اور صدیوں کے برابر دِل کا ہر ارمان ہے

لاکھ چاہا زندگی نے پر قضا ہنستی رہی
کیا کرے انسان آخر وہ فقط انسان ہے

اپریل، ۱۹۹۶

☆





صورت نہیں رہتی، کبھی سیرت نہیں رہتی
یکساں تو کسی کی کبھی حالت نہیں رہتی

وقت ایسا بھی انسان پہ آسکتا ہے اک دن
حالات سے لڑنے کی بھی ہمت نہیں رہتی

دل تب بھی اجالوں کی تمنا نہیں کرتا
جب سامنے خوابوں کی حقیقت نہیں رہتی

تنہائی کی عادت ہو جسے بھیڑ میں ہر دم
محفل کی ذرا بھی اسے رغبت نہیں رہتی

بیگانہ ہر خواب ہی ہوجائے اگر دل
پھر اس کو تو جینے کی بھی چاہت نہیں رہتی

حالات کے گرداب میں اُلجھا ہوا انسان
بکھرے تو سمٹنے کی بھی طاقت نہیں رہتی

خود اپنی ہی نظروں سے تو گرنا نہیں اچھا
گر جائے تو اُٹھنے کی بھی ہمت نہیں رہتی

دُنیا کے جھمیلے سے نکل آئیں تو سوچیں
کیوں اب ہمیں دُنیا کی ضرورت نہیں رہتی

سالوں میں ملاقات کی آتی نہیں نوبت
رشتوں کے نبھانے کی جو فرصت نہیں رہتی

دل میں جو ذرا سی بھی مروت رہے راجی
شکوے نہیں رہتے ہیں، شکایت نہیں رہتی

☆





## اُمید

جو کٹ گئی اُس رات کا ماتم نہیں کرنا
جو کھو گیا اُس پل کا ذرا غم نہیں کرنا

اِک اور نئی صبح کا سورج ہے اُفق پر
آنکھ اپنی، گئے وقت پہ تم نم نہیں کرنا

مانا کہ بہت دُکھ تھے یہاں پچھلے پہر میں
مانا کہ خوشی ڈوب گئی غم کے بھنور میں

مانا کہ کئی رات بھی اشکوں کے سفر میں
مانا کہ کبھی خواب بہے دیدۂ تر میں

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہوتا بھی وہی ہے
ہنستا تھا جو کل، صبح کو روتا بھی وہی ہے

سچ زہر ہے لیکن اُسے پینا ہی پڑے گا
ہنستے ہوئے تم کو یہاں جینا بھی پڑے گا

اِک عمر بتائی ہے تو اِک عمر ہے باقی
معلوم نہیں کتنے رہے کل مئے ساقی ؟
جینا ہے تو جینے کا ہنر سیکھ لے راجی

ہاں اپنے لئے خود سے تمہیں لڑنا پڑے گا
روشن یہ اندھیروں کا نگر کرنا پڑے گا

اب صبح نئی دُور نہیں یاد رکھو تم
خوابوں کو اُجالوں کا سفر کرنا پڑے گا

دسمبر ۱۹۹۸

☆





چلیں زندگی کے نصابوں کی باتیں
غلط ہوگئیں سب کتابوں کی باتیں

گھڑی دو گھڑی تھیں گُلابوں کی باتیں
رہیں عمر بھر پھر عذابوں کی باتیں

بہت سوچ کر یہ کہا تھا کسی نے!
کہو ہر کسی سے نہ خوابوں کی باتیں

وہی ایک تکرار تھی زندگی میں
سوالوں کی باتیں، جوابوں کی باتیں

ہمیں آگہی، زندگی سے ملی ہے
سکھاؤ نہ ہم کو کتابوں کی باتیں

تمھیں مل نہ پائیں گی میری غزل میں
شبابوں کی باتیں، شرابوں کی باتیں

حیا، بے حیائی میں کیا فرق برتیں؟
نہیں جانتے جو حجابوں کی باتیں

حقائق کا چہرہ جُدا سا لگے گا
بیاں جو ہوں راجیؔ نقابوں کی باتیں

اپریل ۲۰۰۷





میں اپنی بات کہنے کا الگ انداز رکھتی ہوں
خموشی بھی سُنائی دے میں وہ آواز رکھتی ہوں

اگر چاہو تو اپنے زخم مُجھ کو دان کر دینا
دھڑکتے دِل کے اس پاتال میں سب راز رکھتی ہوں

بھروسا مُجھ کو اپنے رب کا گرنے ہی نہیں دیتا
بلندی پر میں اپنی سوچ کی پرواز رکھتی ہوں

میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ تم کو غرض جو ہو سو ہو لیکن
میں پُرکھوں کی وراثت پہ ہمیشہ ناز رکھتی ہوں

جو چاہو تم کہو اِسکو، یہ میری سادہ لوحی ہے
کہ اپنے دوست دُشمن سب کو ہی ہمراز رکھتی ہوں

بھلا کیوں ایک ہی طرزِ بیاں پر میں رہوں قائم
مَیں حرفِ زندگی لکھنے کا جب اعزاز رکھتی ہوں

اگر چاہو تو دُھن سے تم سجا لو نغمۂ راجی
یہ آزردہ سہی لیکن مَیں اِن میں ساز رکھتی ہوں

☆





جو قسمت میں نہیں میرے وہ میرا ہو نہیں سکتا
جو میرا ہے وہ میرا ہے پرایا ہو نہیں سکتا

نہ سمجھو تم تہی مایہ مرے اِس کاسۂ دل کو
وہ دریائے محبت ہوں جو صحرا ہو نہیں سکتا

ہمارے دل میں رشتوں کی فقط اتنی حقیقت ہے
جو اپنا بن نہیں سکتا، وہ اِسکا ہو نہیں سکتا

محبت خود ہی منزل، خود ہی شمعِ رہنمائی ہے
گزرگاہِ محبت پر اندھیرا ہو نہیں سکتا

عیاں یہ بات ہے ، راہِ طلب کے ہر مُسافر پر
وہ منزل بن نہیں سکتا، جو رَستا ہو نہیں سکتا

شبِ ہستی میں روشن صبح کی خواہش جو ہو راجی
سویرا ہی سویرا ہے، اندھیرا ہو نہیں سکتا

☆

خراج مُجھ کو ملے گر مرے ہُنر کے لئے
دُعا کرو مرے ہر لفظ میں اثر کے لئے

یہ شاعری تو ہے لفظوں کی چاشنی لیکن
جگر کا خون بھی درکار ہے اثر کے لئے

ہمارے ساتھ دُعاؤں کا سائبان تو ہو
بچاکے رکھیں جسے آخری سفر کے لئے

دکھا ئے کتنے ہی دَر ہم کو زندگانی نے
دُورِ غم میں فقط سایۂ شجر کے لئے

ہمیں وہ بھول گیا ہے مگر فقط اتنا!
چلا گیا تھا کوئی جانے کب کدھر کے لئے

سوال کتنے کیئے تھے جوا ب کی خاطر
ملا جواز نہ کوئی نگاہِ تر کے لئے

عجیب پیاس کا صحرا ہے آدی راجیؔ
ہر ایک شخص ترستا ہے اِک نظر کے لئے

☆





تم نے شاید مجھے صدا دی ہے　　کوئی آہٹ ہوئی فضاؤں میں
قربتوں کا عذاب دیکھا ہے　　فاصلوں کو نہ کیوں بڑھاؤں میں
تھی بہاروں میں تلخیاں اتنی　　لطف بڑھتا رہا خزاؤں میں
کچھ وراثت کی، کچھ روایت کی　　بیڑیاں پڑ گئی ہیں پاؤں میں
فکر کو وسعتیں نہ مل پائیں　　سوچ بھٹکے یونہی خلاؤں میں
بڑھ رہا ہے یقین کیوں مجھ میں　　گر اثر ہی نہیں دُعاؤں میں
ہم نے لکھی نہیں ہوا اسکے　　جو بتائی ہے دھوپ چھاؤں میں

زندگی ہے گریز پا راجیؔ
دِل کے اندر بسی ہواؤں میں

☆

سحر کے رنگ میں ہے شام کی اداسی بھی
زہے نصیب! مرے دل کی غم شناسی بھی

تمہارا درد تمہاری ہی ذات تک محدود
ہمارا درد ہے دنیا کی بے لباسی بھی

ہزار سال رہے جستجوئے دنیا میں
اداس کر گئی پھر اس کی بے اساسی بھی

نہ پوچھ میری سراسیمگی کا وہ عالم
جنوں میں مل گیا جب رنگِ بد حواسی بھی





یہ کس نے دن کو سر شام رات سے بدلا
خوشی نہیں تھی مقدّر میں کیا ذرا سی بھی؟

بدن کی قید سے آزاد جب تلک نہ ہوئی
نحیف جان، ازل سے رہی ہے پیاسی بھی

جھلتے جسم نے صحرائے زیست میں راجی
ہزار سال سے جھیلی ہے کم لباسی بھی

☆

آنکھوں میں کسی نے مری ڈر دیکھ لیا ہے
قسمت کے ستاروں کا سفر دیکھ لیا ہے

اک ڈوبتی کشتی کو بچانے کی تھی کوشش
ساحل سے جسے ، تم نے بھنور دیکھ لیا ہے

ہم اپنی حقیقت کے لئے آپ بہت ہیں
تم نے ہمیں کیا جانے کدھر دیکھ لیا ہے

جینے کے لئے ایک بہانہ تھا ضروری
سو ہم نے تمہیں ایک نظر دیکھ لیا ہے

شطرنج پہ جیون کے ہر اِک شخص ہے مہرہ
قدرت کا عجب ہم نے ہنر دیکھ لیا ہے





طوفان کا رُخ جب سے ہوا ہے مری جانب
احساس نے آزردہ جگر دیکھ لیا ہے

لفظوں کی حقیقت سے اُٹھایا ہے جو پردہ
ہر شخص کی باتوں کا ہنر دیکھ لیا ہے

کچھ بھی ہو عذابوں میں سرابوں کی حقیقت
خوابوں نے مری شب کو، سحر دیکھ لیا ہے

سب کو اسی دھرتی پہ ہے درکار ٹھکانہ
ہم نے مگر آکاش پہ گھر دیکھ لیا ہے

اس شب کے اندھیرے کو کوئی چیر دے راجیؔ
خوابوں نے اُجالوں کا سفر دیکھ لیا ہے

☆

یہ ظلم و جبر کے دن رات کچھ دنوں تک ہیں
سمجھ لو گردشیں، حالات کچھ دنوں تک ہیں

نظر میں ارض و سماوات کچھ دنوں تک ہیں
کتابِ زیست کے صفحات کچھ دنوں تک ہیں

درِ شعور پہ دستک کو سُن رہی ہوں میں
سنو! تمام خرافات کچھ دنوں تک ہیں

یہ کُشت و خون کا بازار سرد ہونا ہے
زمیں پہ سُرخ فسادات کچھ دنوں تک ہیں

نئے سرے سے اُٹھے گا علَم محبت کا
زوالِ دیں کی علامات کچھ دنوں تک ہیں





کہیں پہ سوچ کہیں پر عمل کا ٹکراؤ
یہ اپنے بیچ تضادات کچھ دنوں تک ہیں

بدلتے وقت میں بدلے گی ہر رَوِش اپنی
کہ سرد، گرم سے جذبات کچھ دنوں تک ہیں

فلک کے پار اُترنے کی خواہشیں نہ مٹا
دل و دماغ پہ خدشات کچھ دنوں تک ہیں

ہوا کے دوش، مسرت کا راگ گونجے گا
فضا میں درد کے نغمات کچھ دنوں تک ہیں

رگوں سے زہر کو کھینچے گی اک دُعا راجی
دلوں کو جکڑے خرابات کچھ دنوں تک ہیں

☆

جو پردے میں کہا، محفل میں دُہرایا نہیں جاتا
جو گھر میں ہوچکا باہر کبھی لایا نہیں جاتا

حیا آداب کے سانچے میں نہیں ڈھلتی تو کیا ہوتا؟
اُنہیں شوقِ تکلم، ہم سے فرمایا نہیں جاتا

وفا اور دنیاداری کے تقاضے ہیں جُدا یکسر
وفا کو چھوڑ کر دنیا کو اپنایا نہیں جاتا

جو بکھرے ہیں سمٹنے میں اُنہیں کچھ وقت لگتا ہے
جو اُلجھے ہیں اُنہیں لمحوں میں سُلجھایا نہیں جاتا

جو دُنیا نے دیا، وہ پھر بھی انساں بھول جاتا ہے
جو اپنوں سے ملا وہ زخم سہلایا نہیں جاتا

ہمیں رسموں، رواجوں کی طرف پھر لوٹنا ہوگا
زمانہ ہم سے ہے اور خود سے ٹکرایا نہیں جاتا

اُنہیں تم لاکھ ڈھونڈو عرش سے پاتال تک راجیؔ
جو لمحے کھو گئے انکو کہیں پایا نہیں جاتا

☆





ڈُور سے زور کا اک ضرب لگایا کس نے؟
میں کہ پتھر تھی مجھے شیشہ بنایا کس نے؟

ایک تم ہی تھے کوئی دوسرا اِس رہ پہ نہ تھا
مجھکو منزل سے بھلا اور ہٹایا کس نے؟

اپنے مابین کوئی تیسرا آیا ہی نہیں
فاصلہ بیچ کا پھر حد سے بڑھایا کس نے؟

جب سرِ شام کسی یاد کا جھونکا بھی نہ تھا
دل کو احساس کے دریا میں بہایا کس نے؟

میں کہ اندیشۂ حالات سے خائف تھی مُدام
مجھ کو حالات کے دھارے پہ چلایا کس نے؟

کوئی نسبت کسی دریا سے نہیں تھی راجیؔ
دل کے اس دشت میں پھر پھول کھلایا کس نے؟

☆

عمر بھر معتبر نہیں رہتے
کم نظر ، ہم نظر نہیں رہتے

ایک ہونا ہی بار تھا ورنہ
ہم کبھی منتشر نہیں رہتے

نفرتوں کی اُجاڑ بستی میں
لوگ شیر و شکر نہیں رہتے

ان دِکھی کون دیکھ سکتا ہے؟
ہر جگہ دیدہ ور نہیں رہتے!

رابطے مختصر نہ رکھتے تو
فاصلے اسقدر نہیں رہتے

وقت جب زاویہ بدلتا ہے
حوصلے بارور نہیں رہتے





خواب ، احساس اور تمنائیں
عمر بھر ہمسفر نہیں رہتے

دل کی تہہ میں اُتر نہیں پاتے
حرف جب باثر نہیں رہتے

اپنے سایے سے ڈر نہیں لگتا
قد سے اونچے اگر نہیں رہتے

سوچ جنگلی ہو منتشر راجی
چین سے اپنے گھر نہیں رہتے

☆

غم سے باہر کا ڈر ضروری تھا
دل کو آسودہ گھر ضروری تھا
سرخروئی نصیب سے پاتے
ورنہ دستِ ہُنر ضروری تھا
آگہی کا عذاب سہہ لیتے
وحشتوں سے مَفر ضروری تھا
ہم فرشتہ بھی بن گئے ہوتے
پہلے ہونا بشر، ضروری تھا
لاکھ محصورِ ذات ہو رہتے
اک ہوا کا گُزر ضروری تھا
خاک کو خاک سے جُدا کرتے
چشمِ لعل و گہر ضروری تھا





اپنی ہمت سے موڑ ہی لیتے
رُخ ہوا کا، جدھر ضروری تھا
ساتھ ہوتے تو سوچ لیتے ہم
کس پہ کس کا اثر ضروری تھا
اُسکو پاتے اُسی کے ہو رہتے
ہم سفر ہم نظر ضروری تھا
راستے میں شجر نہ تھا راجی
پھر بھی چلتے اگر ضروری تھا

☆

دین کو چھوڑ کے جو تُو نے کمائی دنیا
پھر بتا کیسے ترے ہاتھ نہ آئی دنیا؟

کیسے آنکھوں میں بساتی مَیں پرائی دنیا
مَیں نے خوابوں کے گھروندے میں بسائی دنیا

پہلے دنیا کے جھمیلوں میں بُھلایا خود کو
پھر ہوا یوں کہ ہمیں راس نہ آئی دنیا

جب بھی دنیا کی حقیقت کو سمجھنا چاہا
ایک دھوکے کے سوا کچھ بھی نہ پائی دنیا

یہ کوئی جُرم نہیں ہے کہ سزا دو مجھکو
مرے حصّے کی اگر میں نے بتائی دنیا

ساری دنیا نے اُسے اپنا بنانا چاہا
ساری دنیا سے الگ اُس نے بنائی دنیا

جانے والے کو تھی کب اسکی ضرورت راحتؔ
اس کے قدموں میں عبث تم نے بچھائی دنیا

☆





وہ درِ دُشمنی کا جو وا کر رہا ہے  تو کیا دوستی میں دغا کر رہا ہے؟
نہ حرفِ تمنا نہ حرفِ شکایت  نگاہوں سے کیا التجا کر رہا ہے
وہ چُپ چاپ کتنے ستم سہہ چُکا ہے  جو تجویز اپنی سزا کر رہا ہے
کسی اور کے واسطے در کھلا تھا  کوئی اور ہی راستہ کر رہا ہے
وہ پتھر ہوا تو بنا دیوتا خود  مجھے آدمی سے خدا کررہا ہے
کہاں سے نئی روح آئی ہے اُس میں  پرانے بدن کو نیا کر رہا ہے
خدا سے اُسے جب حیا بھی نہ آئی  تو کیوں آدمی سے حیا کررہا ہے
فقط یہ سمجھنا ہے دشوار اُسکو  بگاڑ اُسمیں پیدا، انا کر رہا ہے
بھلا اُسکو کیسے کوئی بد دُعا دے  جو ہر وقت پیچھے دُعا کر رہا ہے
چلو بخت پر چھوڑ دیتے ہیں راحتؔ
خموشی سے جو فیصلہ کررہا ہے

☆

طرحی دوغزلہ

اتنے خوددار ہوگئے یارو — خود پہ دشوار ہوگئے یارو

ہم محبت کے معاملے میں بھی — سُست رفتار ہوگئے یارو

راس آئی سفر نصیبی ، سو — راستے یار ہوگئے یارو

گھر کو لوٹے تھے کچھ ذرا پہلے — پھر سے تیار ہوگئے یارو

حق کی پرچار کیا کیا دل نے — اپنے اغیار ہوگئے یارو

جن کی معصومیت پہ تھے نازاں — وہ بھی عیار ہوگئے یارو

کھود کر توڑ دی زمیں اپنی — جب بھی ہموار ہوگئے یارو

غم کی تکرار کیا ہوئی راجی
حرف آزار ہوگئے یارو

☆





ذہن، بیمار ہوگئے یارو
جسم، مسمار ہوگئے یارو

تیرگی پھیلنے لگی ہر سُو
رُژن درکار ہوگئے یارو

اب قیامت نہیں ہے دُور مرے
ایسے آثار ہوگئے یارو

دشمنوں کو پناہ دی ہم نے
یعنی ہتھیار ہوگئے یارو

کوڑیوں میں لگا ہے دامِ علم
سب خریدار ہوگئے یارو

---

رُژن = روشنی

غم کا سایہ تو ہراک شخص پہ لہرایا ہے
کوئی بزدل ہی غمِ زیست سے گھبرایا ہے

جو بھی میخانہ ہستی کا بنا ہے مہماں
جامِ الفت بنا چھلکائے نہ رہ پایا ہے

کتنی مشکل سے خوشی لوٹ کے گھر آئی تھی
بند دروازے نے واپس اُسے لوٹایا ہے

تم مرے کل میں مرے آج کا سرمایہ تھے
یہی احساس مری زیست کا سرمایہ ہے

زندگی پاؤں کے نیچے سے پھسلتی ہی رہی
اور دل نے سرِ ساحل مجھے ٹھہرایا ہے

سچ کو ہر دور میں ملتی ہے سزائیں راجی
حاکمِ وقت نے دیوار میں چنوایا ہے

ہم نے راجی نہیں مانی ہے کسی کی لیکن
وقت نے بخت کا ہرفیصلہ منوایا ہے

☆





دُور کا یا قریب کا تھا سفر     چل پڑے جس طرف لکھا تھا سفر
شوق کی انتہا پہ جا پہنچا     وہ کہ جسکے لئے نیا تھا سفر
زیست میں تم سے سامنا بھی ہوا     کس طرح کہتے پھر، بُرا تھا سفر
کیوں ہتھیلی کو دیکھ کر بھاگے     کیا لکیروں میں ہی دِکھا تھا سفر؟
تم کو پھر مجھ سے جوڑ لینا تھا     اتنی جلدی اگر کٹا تھا سفر
لوٹ آنا ہی پڑگیا سب کو     جس نے جتنا بھی طے کیا تھا سفر
بعد اسکے تو کچھ بچا ہی نہیں     ساتھ اُسکے ہی کٹ گیا تھا سفر
لوٹ آتے بھی کس طرح گھر کو؟     ہر سفر سے نیا جڑا تھا سفر!

تھک کے راجی رکے تھے جس لمحہ
بس اُسی ایک پل رُکا تھا سفر

☆

## رشتے

وہ رشتے معتبر ہیں زندگی کی تُند راہوں میں
جو ہر پل ساتھ دیتے ہیں
بھیڑ میں ہاتھ دیتے ہیں
گِرو تو تھام لیتے ہیں
دُعا میں نام لیتے ہیں

وہ رشتے معتبر ہیں زندگی کی سرد شاموں میں
جو یخ بستہ ہواؤں کے تھپیڑے روک لیتے ہیں
خزاؤں کو، بہاروں کی پہنچ سے روک لیتے ہیں
جو ہر ٹھہرے ہوئے پل کو، نیا اک موڑ دیتے ہیں





جو نفرت کی سبھی اُونچی فصیلیں توڑ دیتے ہیں
جو پیغامِ محبت سے دِلوں کو جوڑ دیتے ہیں
جو خوشیاں بانٹنے میں اپنا حصّہ بھول جاتے ہیں
جو کر لینے پہ آتے ہیں تو کر کے بھول جاتے ہیں
جو ساری دُوریوں کو ایک ہی پل میں مٹاتے ہیں
جو اپنا ہی نہیں کہتے ہیں، اپنا بھی بناتے ہیں

وہ رشتے معتبر ہیں زندگی کی دھوپ میں راحت
جو قسمت سے نہیں لڑتے، مگر لڑنا سکھاتے ہیں
جو ہر پل نا اُمیدی کے اندھیروں کو بُجھاتے ہیں
کہ جن کو دیکھ کر احساس کو راحت تو ملتی ہے
غمِ دِل کو غموں سے بھی ذرا فرصت تو ملتی ہے

مارچ ۲۰۰۵ـ

نہ جانے کیا ہوا، کیوں درد کی یلغار ہے ہمدم
کوئی بھی وقت ہو، دل پر ہمیشہ بار ہے ہمدم

نہ پھر کوئی تمنا زندگی بھر سر اٹھائے گی
نظر بھر دیکھ لوں، یہ آخری دیدار ہے ہمدم

نہ میں اپنی جگہ پر ہوں نہ تم ، تم ہی رہے شاید
ہمارے بیچ میں اب وقت کی دیوار ہے ہمدم

نہ جانے کس لئے ہر بار خود سے ہار جاتی ہوں
محبت کا تو دوجا نام ہی ایثار ہے ہمدم

ہمیشہ کی طرح دنیا سے ہے تنہا مجھے لڑنا
ہمیشہ کی طرح سر پر مرے تلوار ہے ہمدم





جوابوں کے لیے جب حوصلہ باقی نہیں مجھ میں
سوالوں کی مرے سر پر ہی کیوں بوچھار ہے ہمدم

تھکن سے چُور ہوکرآسماں کی سمت دیکھا ہے
مجھے اب بھی دُعاؤں کا اثر درکار ہے ہمدم

مرے صحرا پہ اپنے ابر کی دو بوند برسا دے
جھلتی ریت پر تنہا سفر دشوار ہے ہمدم

یہ تپتی دھوپ میں صحرا نوردی کب تلک راجیؔ؟
سُنا تھا بخت میں ہر درد کی مقدار ہے ہمدم

☆

ہماری سوچ ہی دن رات میں مقیّد ہے
وگرنہ زیست تو حالات میں مقیّد ہے

ہر ایک سوچ نے انکار کر دیا مجھ سے
ہر ایک سوچ تضادات میں مقیّد ہے

کہ میری عمر بھی ہمزاد جی چکا مجھ میں
یہ کون ہے جو مری ذات میں مقیّد ہے؟

تمام عمر اکیلے میں ہمکلام ہوا
وہ ہیولا جو خیالات میں مقیّد ہے

اسی سبب سے تو خاموش رہ گیا کوئی
کہ ہر جواب، سوالات میں مقیّد ہے!





وہ ایک حرف کہ جس سے اُسے شمار کیا
مری دُعا و مناجات میں مقید ہے

نہ پوچھ کس طرح لمحے نے فاصلہ کھینچا
فریب، ساری وجاہت میں مقیّد ہے

وہ خود پرست نہیں ہے تو اور کیا راجی
خلوص اُسکا، مفادات میں مقید ہے

☆

خود اپنی ذات میں جس وقت ہوگئے مقسوم
خیال و خواب میں تا عمر پھر رہے مظلوم

وہ فاصلے میں بھی، اس دل سے ہوگیا موسوم
نجانے کونسے لمحے میں کر گیا محکوم

وہ جسکی روشنی مدّت سے ہوگئی معدوم
تمام شب ہی جھلتا رہا، دِیا موہوم

یہ سوچ کر ہی اُسے چھوڑنا پڑا مجھ کو
کہ کب تلک ہو مرے ساتھ تیرگی کا ہجوم

یقیں کی موت نہ ہوتی تو پا لیا ہوتا
تلاش کرتے ہی رہتے اگر میانِ ہجوم





ہزار کرب تھے احساس کے جزیرے پر
سو اسکے بعد بہل کب سکا دلِ معصوم

فسردہ سوچ میں کوئی نئی سی بات نہیں
ہزار سال سے انسان ہے یونہی مغموم

ہم اُسکی سوچ کے تابع نہ ہوسکے راجی
وہ معتبر تھا مگر کس قدر، نہیں معلوم

☆

درد تکتا رہا ، رازداں کی طرف　　سوچ ساکن، نظر آسماں کی طرف

اشک ڈھلکا تو دل کی زمیں نم ہوئی　　آس بڑھتی رہی، مہرباں کی طرف

ابرِ رحمت کو پیاسی زمیں بھا گئی　　دشت لپکا نہ آبِ رواں کی طرف

موجِ دریا پہ دل کا سفر تھا رواں　　میں نے دیکھا نہیں بادباں کی طرف

اک حوالہ تھا درکار احساس کو　　سو حوالے تھے نام و نشاں کی طرف

میرے آنگن میں چاہت کی بہتات تھی　　کیسے بڑھتی میں خالی مکاں کی طرف

جانے کیا سانحہ رونما ہوگیا　　لوگ لپکے جو آہ و فغاں کی طرف

بے اماں منزلوں کے نشاں اب نہ ہوں　　کوئی رستہ تو جائے اماں کی طرف

اپنی منزل تو راجی کہیں اور ہے<br>کھینچ لے نا کوئی رفتگاں کی طرف

☆





میں ستم بخت کے، ہر وقت نہیں سہہ سکتی<br>وقت کے دھارے پہ ، چُپ چاپ نہیں بہہ سکتی

میں حقیقت ہوں مجھے ماننا ہوگا تجھکو<br>میں ترے رحم و کرم پر تو نہیں رہ سکتی

مرے اندر کی بغاوت نے سکھایا مجھکو<br>خود بخود ظلم کی دیوار نہیں ڈھہ سکتی

مرے اشعار میں دیکھو گے شباہت میری<br>جو نہیں ہوں وہ کسی طور نہیں کہہ سکتی

☆

اپنا دیار جن کا مقدّر نہیں رہا
پردیس میں بھی اُن کا کوئی گھر نہیں رہا

وہ کیسے لوگ تھے جو نظر میں سمائے تو
آنکھوں میں عمر بھر کوئی منظر نہیں رہا

عمرِ رواں کی دھوپ میں اتنا ہوا کہ بس!
دِل میں محبتوں کا سمندر نہیں رہا

ہم بھی انا کی قید میں محصور تھے اگر
وہ بھی تو اپنی ذات سے باہر نہیں رہا





جو کر گیا بُرا ، میں کہوں کیا اُسے بھلا!
جب اُس کا ظرف میرے برابر نہیں رہا

یہ بزمِ شاعری میں خموشی ہے کس لئے
شاید محبتوں کا وہ شاعر نہیں رہا

راجیؔ کی شعر گوئی کا یہ مستقل سفر
احساس کے حصار سے باہر نہیں رہا

☆

کتنا آسان محبت میں ہے دھوکا کرنا
ورنہ یہ عشق تو بس سر کا ہے سودا کرنا

دعویٰ عشق تو سب کرتے ہیں بڑھ چڑھ کے یہاں
کس کو آتا ہے مگر عہد کا ایفا کرنا؟

اپنے کہنے کا بھرم رکھ نہ سکو گے تم بھی
پھر کہو گے کبھی ایسا کبھی ویسا کرنا

تم نہ مانو گے کبھی اپنی خطائیں لیکن!
کبھی فرصت میں مری بات پہ سوچا کرنا

جو مرے ساتھ ہوا مجھ کو گوارا ہے مگر
☆پھر نہ اس طرح کسی اور کو رُسوا کرنا☆

تم کہ انسانوں کے مابین نہیں رہ سکتے
تو کہیں دُور پہاڑوں پہ بسیرا کرنا





تم چلے جاؤ، پلٹ کر نہیں دیکھیں، تم کو
شرط یہ ہے کہ خیالوں سے نہ گزرا کرنا

ڈوب جاؤ گے تو ساحل بھی نہ پاؤ گے کہیں
میری آنکھوں کے سمندر میں نہ اُترا کرنا

اشک بہتے ہیں تو بہنے دو خُدا کے آگے
ہوں ندامت کے تو صحرا کو بھی دریا کرنا

تھک گئی چلتے ہوئے بادِ مُخالف راحیؔ
رُخ ہواؤں کا اِدھر بھی کبھی موڑا کرنا

اکتوبر۔۲۰۰۵

☆

آنکھ بوجھل ہے ، صبح آنی ہے
رات کی ہر گھڑی کہانی ہے

خواب آنکھوں کے ریزہ ریزہ ہیں
اور حقیقت بھی آنی جانی ہے

کیا گلہ کیجیے ہواؤں کا
چار جانب ہی بے امانی ہے

چند لمحوں کی دل کی آہیں ہیں
پھر ہمیشہ کی بے زبانی ہے





پیار و اخلاص کی گُورگہ پہ
حرصِ دُنیا کی حُکمرانی ہے

دلِ خاموش ہے پریشاں اب
ہائے کیوں دوسروں کی مانی ہے؟

حرفِ اُمید مجھ سے پوچھتا ہے
میرے ہونے کی کیا نشانی ہے؟

زندگی کی کتاب میں راجی
چند لمحوں کی شادمانی ہے

☆

اُسے خود سے بچھڑ جانے کا دُکھ ہے
خیالوں میں بکھر جانے کا دُکھ ہے

وہ دِل جو خواہشوں کا آشیاں تھا
اُسی گھر کے اُجڑ جانے کا دُکھ ہے

نہیں دُنیا کا غم لیکن خود اپنی
نگاہوں سے اُتر جانے کا دُکھ ہے

سوالوں میں اُلجھ کر رہ گیا ہے
جوابوں کے بگو جانے کا دُکھ ہے





کبھی سوچا نہ تھا جس راستے کو
اُسی رہ سے گُزر جانے کا دُکھ ہے

دوا تو بے اثر تھی مدّتوں سے
دُعائیں بے اثر جانے کا دُکھ ہے

دُکھوں کی آندھیاں اللہ اکبر!
تمنّاؤں کے مر جانے کا دُکھ ہے

کہاں تھا خوف راجیؔ آندھیوں کا
مگر ہاں ! خود سے ڈر جانے کا دُکھ ہے

☆

مرے اندر ہی شاید بے کلی تھی
کہ باہر روشنی تھی، زندگی تھی

اُجالے بانٹنے والے کہاں تھے
اندھیری رات جب سر پر پڑی تھی

نہیں یہ آئینہ جھوٹا نہیں ہے
یہ میرا عکس تو پہچانتی تھی

اُسے بھی ساتھ لے کر چل پڑے ہم
انا اپنی، بُری تھی یا بھلی تھی

گئے کل میں نئے کل کا معمہ
وہ شب بھر جاگتی تھی، سوچتی تھی

عجب تھے سانحے انساں کے دل پر
بدن میں روح تک بس بے حسی تھی





اجالے شام تک کیوں منتظر تھے؟
شب ہستی تو سایے سے لگی تھی

نظر کب خود کو اپنا نقص آیا
کہ ہر دل میں خود اپنی برتری تھی

کئی اخبار اس پر بک رہے تھے
خبر میں موت کے کیا سنسنی تھی

کسی کا شور کب تھا داستاں میں
خموشی خود کہانی بُن رہی تھی

گئے وقتوں کو میں کیسے بُھلاتی
کہ ہر اک یاد آنگن سے جُڑی تھی

ہمیں یہ کس کی پرواہ لے کے ڈوبی
جہاں سب کو فقط اپنی پڑی تھی

سمجھتا تھا وہ سب کو اپنے جیسا
بس اس کی اک یہی عادت بُری تھی

جسے گفتار کا تمغہ ملا تھا
اُسی کے لب پہ گہری خامشی تھی

مجھے صحرا نوردی راس آئی
لبِ دریا عجب سی تشنگی تھی

غمِ ہستی سمیٹے چل پڑا وہ
جہانِ دل میں کیا ایسی کمی تھی

سمندر میں مرا دریا تھا اُترا
فضا کیوں سوگوار و ماتمی تھی

مرے بھی نقشِ پا راجی وہیں تھے
وہ آنگن جس کی ہر چھاؤں گھنی تھی

☆





جب کبھی ڈھونڈنے نکلے تھے خوشی کا چہرہ
ہم کو ملتا ہی رہا غم کا شناسا چہرہ

جانے کیا بات تھی اُمید نے دھوکا دے کر
بارہا ہم کو دکھایا ہے ہمارا چہرہ

چند سالوں کی مسافت میں عجب حال ہوا
درد کی دھوپ بڑھی جل گیا سارا چہرہ

وقتِ رفتہ سے کوئی چھین کے لا دے مجھ کو
مرا معصوم سراپا، وہی پیارا چہرہ

جانتی ہوں کہ یہ آسان نہیں ہے لیکن
کاش مل جائے مجھے اپنے ہی جیسا چہرہ

نظر آئے گی رفیقوں میں رقابت دِل کی
وقت پڑنے پہ اگر دیکھ لو انکا چہرہ

آئنہ سامنے رکھو ، ذرا دیکھو خو د کو
کبھی پہچان نہ پاؤ گے تم اپنا چہرہ

تم نظر خود سے ملا کر کبھی دیکھو راجی
کیا نہ اُبھرے گا غمِ زیست سے ہارا چہرہ؟
جولائی ۲۰۰۵

☆





تمہیں فرصت ہو جب برقِ تپاں سے
نمٹ لینا ہمارے آشیاں سے
یہ دُنیا کم نہیں بارِ گراں سے
کوئی خالی نہیں آہ و فغاں سے
نصیبوں کا لکھا کیسے بدلتے؟
بچا ہے کون قسمت کے زیاں سے؟
جہاں بھی ہم چلے ہر پل سنبھل کر
لگی ٹھوکر ہمیں کیسے وہاں سے؟
نہ ہم کو آزماؤ اس قدر بھی
گزر ہی جائیں ہم جان و جہاں سے
ہمیں گھیرا ہے ایسا وسوسوں نے
نہ ہونگے سُرخرو اک امتحاں سے

کروں کیسے ادا حق بندگی کا
تُو بالا ہے مرے وہم و گماں سے
مجھے اِک حوصلے کی ہے ضرورت
کہ منزل تک پہنچ جاؤں اماں سے
ہوئی ہے فکر اب تو عاقبت کی
کوئی خواہش نہیں عمرِ رواں سے
گھڑی بھر کی یہ مہمانی ہے راجیؔ
چلے جانا ہے سب کو اس جہاں سے

☆





چلتے چلتے زندگی کی بھیڑ میں کھو جائیں گے
تم کہیں ہو جاؤ گے اور ہم کہیں ہو جائیں گے

قربتوں میں قربتوں کو ڈھونڈتے رہ جائیں گے
وقت بدلے گا تو کتنے فاصلے ہو جائیں گے

تم نہ پہچانو گے ہم کو راہ میں مِل بھی گئے
ہم بھی تم کو دیکھ کر ناآشنا ہو جائیں گے

کون سمجھے گا بھلا اس آرزو کی داستاں
ایک گہری نیند میں جب خواب ہی سو جائیں گے

کل وہی کاٹیں گے راجیؔ زندگی کی فصل سے
آج ہم اس کھیت میں جو بیج بھی بو جائیں گے

اپریل ۲۰۰۶

☆

نہ کچھ کہنے کی حسرت ہے نہ کچھ سننے کی چاہت ہے
مرے اندر کی خاموشی کو چُپ رہنے کی عادت ہے

نہ آنکھوں کو کبھی بھی خواب کی حسرت کھٹکتی ہے
نہ خوابوں کو مری نیندوں میں بس جانے کی فرصت ہے

نہ مجھ کو عارضی دنیا کے سُکھ دُکھ سے کوئی مطلب
نہ دنیا کی نظر میں معتبر ہونے کی حسرت ہے

مرے احساس نے دیکھی ہیں اگلی منزلیں ساری
کہاں اب دل کو اِس دنیا سے کچھ لینے کی رغبت ہے

مرے اندر کے طوفانوں نے رستہ دیکھ رکھا ہے
کہ ٹھاٹیں مارتے سیلاب کو بہنے کی حاجت ہے

میں دل کی بارگہ میں کب تلک نادم رہوں راحیؔ
کہ دربارِ خدا میں سر جھکا دینے کی چاہت ہے

☆





خاک میں مل کر ختم ہے قصہ مٹی کا
دنیا ہے اک خواب گھروندا مٹی کا

بچپن سے انسان دوانہ مٹی کا
آخر میں بس ایک اثاثہ مٹی کا

دوگز کی منزل ہے مہنگے داموں پر
انساں کو دشوار ، بچھونا مٹی کا

عمر مقابل، وقت کی ظالم لہروں کے
ڈیہہ جائے گا اک دن ٹیلا مٹی کا

طوفانوں سے یاری آخر لے ڈوبی
ساحل پہ جو گھر تھا اپنا مٹی کا

من مندر کی مورت بھی تو خاکی ہے
انساں تو خود بھی ہے پُتلا مٹی کا

صحرا کا جب رنگ سجایا آنکھوں نے
دل دریا نے آنگن سوچا، مٹی کا

دنیا میں ہر ایک حقیقت پانی ہے
دنیا کا ہر ایک فسانہ مٹی کا

مٹی کی منزل تک راہی بھول گئی
دھول میں اٹا، سارا رستہ مٹی کا

☆





## متفرق اشعار

مجھے احساس تک ہونے نہ پایا
میں اپنی ذات کا حصّہ نہیں تھی

☆

مرے ماتھے کی لکیروں سے نہ کر اندازے
حادثے وقت کی رفتار بڑھا دیتے ہیں

☆

یہ مان ہی بہت ہے مجھے میری ذات پر
میں سامنے کسی کے بھی جھک کر نہیں رہی

☆

مری شاعری سے مجھے جان لو
کہ یہ آئنہ ہے مری ذات کا

☆

تم شام کے سائے سے اگر دن کو ہٹالو
ہم رات کی پیشانی پہ لکھ دینگے سحر کو

☆

# قطعات

نہ پوچھو کب کہاں جیون میں کتنے موڑ آئے ہیں
گئے وقتوں کے ہم سارے مناظر چھوڑ آئے ہیں
ذرا سی دیر میں اک عُمر کا قصّہ مکمل تھا
ذرا سی دیر میں صدیوں سے ناتا توڑ آئے ہیں

بجھے گی شمعِ راحت، گر تمنّا بے ثمر ہوگی
دوا کیا کام آئے گی، دعا بھی بے اثر ہوگی
تمہارے بن، کہو یہ زندگی کیسے بسر ہوگی؟
کے پھر مُڑ کے دیکھیں گے، کوئی آہٹ اگر ہوگی!

گرداب سے نکلیں گے، کہ ہم ڈوب مرینگے
یہ فیصلہ تنکے کا سہارا ہی کرے گا
تم اپنی نگاہوں کے سمندر کو سنبھالو
صحرا کا مسافر تو کنارہ ہی کرے گا

☆

اَن دیکھے خواب کی تعبیر لیے پھرتی ہے
جانے کس راہ پہ تقدیر لیے پھرتی ہے
جب نئے دن کے اُجالے میں پتہ لیتی ہوں
پھر گئے وقت کی زنجیر لیے پھرتی ہے

☆